بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صفات باری تعالیٰ

یعنی

اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی

عہد مبارک

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

در سال

خلافت جوبلی ۲۰۰۸ء اور ۲۰۱۵ء

از

اقبال احمد نجم

ایم اے۔ شاہد (واقف زندگی)

انتساب

یہ کتاب پیارے آقاءِ نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کرتا ہوں جو اللہ تعالی کی جملہ صفات کے مظہرِ کامل ہیں اور جملہ زمرہ عباد الرحمن کے سردار ہیں۔ اللہ تعالی ہم سب کو فنافی الرسول کا اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

لندن

15-7-08

پیارے مکرم اقبال احمد نجم صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا۔ اللہ مدد کرے اور آپ کو اپنے تمام علمی کام بہتر طور پر سرانجام دینے کی توفیق بخشے۔ اللہ آپ کے اخلاص اور ایمان میں برکت عطا فرمائے او آپ کی تمام نیک مرادیں پوری کرے۔ آمین

والسلام

خاکسار

[signature]

خلیفۃ المسیح الخامس

جامعہ احمدیہ یوکے

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا

(الأَعراف:181)

اور اللہ کی بہت سی اچھی صفات ہیں پس تم اس کے ذریعہ سے اس سے دعائیں کیا کرو۔

اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَ تِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً غَيْرَ وَاحِدٍ
مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ

(جامع ترمذی، ابواب الدعوات)

اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام ہیں جو ان کو مدنظر رکھے گا جنت میں داخل ہوگا۔

''ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔''

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۱)

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات تمام خوبیوں کی جامع اور تمام عیوب سے منزہ ہے۔ وہ وراءالوراء اور بے پایاں صفات کی حامل ہے۔ اس کی صفات کا اندازہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ خود ذات باری تعالیٰ نے اپنی صفات کا علم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا اور اپنا ذاتی نام اور ام الصفات بتائیں۔ اسی طرح اپنی کئی صفات کا اظہار بھی کیا اور صفاتی نام بھی بتائے جن کی تفصیل قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں کو یاد کرنے اور ان کے حوالہ سے دعائیں مانگنے کی تاکید کی گئی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ناموں کو یاد کرے گا جنت میں داخل ہوگا۔

اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا صحیح عرفان پیش فرمایا ہے۔ مکرم اقبال احمد صاحب نجم، ایم اے شاہد پروفیسر جامعہ احمدیہ یوکے نے صفات باری تعالیٰ یعنی **الاسماء الحسنیٰ** کتاب میں اللہ تعالیٰ کے نام اور ان کے معانی کو اکٹھا کرتے ہوئے قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں تفصیل بیان کی ہے۔ خاص طور پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریرات میں صفات باری تعالیٰ سے جس طرح پردہ اٹھایا ہے ہر قاری کے ذہن میں وہ صفات گھر کر لیتی ہیں۔ بالکل نیا اور اچھوتا رنگ دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح کتاب کے آخر میں عبادالرحمٰن کی خصوصیات بھی شامل کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذات وصفات کا صحیح علم وعرفان عطا فرماتے ہوئے اپنے قرب کی راہوں پر چلائے اور اس کتاب کی اشاعت کو ہر لحاظ سے مبارک کرے اور بہتوں کی ہدایت کا باعث بنائے۔ آمین۔

خاکسار

ناظر اشاعت ربوہ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الحمدللہ خاکسار کو اب تک بہت سے مضامین لکھ کر جماعت کے مختلف رسالوں اور اخبارات میں چھپوانے کی توفیق ملی ہے۔ چنانچہ الاسماء الحسنیٰ کے مضامین بھی گیارہ قسطوں میں اگست، ستمبر ۱۹۸۰ء میں روزنامہ الفضل ربوہ میں شائع ہوئے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتب میں بیان فرمایا ہے کہ سورۃ الفاتحہ ام الکتاب ہے۔ قرآن کریم کے تمام مضامین اس سے نکلتے ہیں اور اس میں پائی جانے والی چار صفات الٰہیہ یعنی رب، رحمٰن، رحیم اور مالک یوم الدین اُمّ الصفات ہیں۔ چنانچہ خاکسار نے اس بات کا علم حاصل کرنے کی کوشش کی ہے کہ کون سی ام الصفات سے کون سی دیگر صفات نکلی ہیں۔

مجھے یاد ہے جب یہ مضمون شائع ہوا تھا تو استاذی المکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ مرحوم نے اس پر خوشنودی کا اظہار فرمایا تھا اور اس مضمون کو کتابچہ کی شکل میں شائع کرانے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ ایک دفعہ جب خاکسار نے طلباء جامعہ احمدیہ یوکے کی ایک مجلس میں اس مضمون کی ایک جھلک پیش کرنے کی توفیق پائی تو بعد میں بعض طلباء نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ انہیں کتابی شکل میں شائع کرنا چاہیے جس پر میں نے جوبلی کے اپنے پروگرام میں اس کی اشاعت کو بھی شامل کرلیا۔ اس کے ساتھ اپنا ایک اور مضمون ''عباد الرحمٰن کی خصوصیات'' بھی شامل اشاعت کر رہا ہوں۔ یہ مضمون میرے جامعہ احمدیہ کے تعلیمی دور کے دوران ستمبر، اکتوبر ۱۹۶۷ء میں ۱۹ اقساط میں روزنامہ الفضل میں شائع ہوا تھا اور میرے بعض نہایت ہی پیارے اور محترم اساتذہ نے مجھے پیار سے ''عباد الرحمٰن'' کہنا شروع کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم ایک بہت ضروری علم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا بیان فرمایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملاً ان صفات کا کامل مظہر بن کر دنیا کو خدا تعالیٰ کا چہرہ دکھا دیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خلفاء کرامؓ نے بھی اس طرف توجہ

فرمائی ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ان صفات کے متعلق خطبات کا سلسلہ جاری فرمایا تھا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بروح القدس بھی اس سلسلہ کو جاری فرمائے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں فرمایا ہے ''صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (البقرۃ:۱۳۹)'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح آپ کے غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اس رنگ میں رنگین تھے اور سچ ہے کہ عباد الرحمٰن وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفات کا رنگ اپنے پر چڑھا لیتے ہیں۔ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فداہ نفسی وابی وامی وہ تھے جو اس قافلۂ قدوسیان کے قافلہ کے سالار تھے۔**اللھم صلّ علیٰ محمد و آل محمد۔**

اس موقع پر میں اپنے ان دوستوں کا ممنون ہوں جنہوں نے ان مضامین کو کتابی شکل میں ڈھالنے میں میری مدد کی ہے۔ان میں برادرم مکرم ناصر احمد صاحب شمس سیکرٹری فضل عمر فاؤنڈیشن ربوہ اور مکرم برادرم ایم اے بسمل چٹھہ صاحب ایڈیشنل ناظر صاحب اشاعت صدر انجمن احمدیہ پاکستان کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت صرف کر کے اس کتاب کی اشاعت میں ہماری مدد کی۔اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کے ساتھ ہو۔آمین

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی جنابِ خاص سے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کو مفید پائیں تو ہم سب کے لئے دعائے خاص کریں، اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ خدمت دین کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے۔آمین

والسلام

خاکسار

اقبال احمد نجم

پروفیسر جامعہ احمدیہ یوکے

بروز جمعۃ المبارک ۱۱ جنوری ۲۰۰۸۔۲۰۱۵

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صفات باری تعالیٰ

یعنی

اَلْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

خدا تعالیٰ جو اپنے اس کارخانہ قدرت کی جان ہے اور اسی کے دم سے ہر نیست کو ہست اور اس کی آن بان ہے۔ اس کی ہر ارضی وسماوی مخلوق کا مطالعہ اس کا ایک نیا عرفان ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ اس کے سمجھنے اور پہچاننے کا سرچشمہ صرف قرآن ہے۔ اور اس کا کامل پرتَو اور انعکاس صرف حامل قرآن ہے جس پر الٰہی تجلیات ہر آن ہیں۔ جن کے کامل ظل حضرت مسیح الزمان علیہ السلام ہیں۔ اور ہمارے (آقائے دو جہاں) کا یہ ارشاد واجب صد احترام ہے کہ:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَۃً وَّتِسْعِیْنَ اِسْماً مِائَۃً غَیْرَ وَاحِدٍ مَنْ اَحْصَاھَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ، الرَّحِیْمُ، الْمَلِكُ، الْقُدُّوْسُ، السَّلَامُ، الْمُؤْمِنُ، الْمُھَیْمِنُ، الْعَزِیْزُ، الْجَبَّارُ، الْمُتَکَبِّرُ، الْخَالِقُ، الْبَارِئُ، الْمُصَوِّرُ، الْغَفَّارُ، الْقَھَّارُ، الْوَھَّابُ، الرَّزَّاقُ، الْفَتَّاحُ، الْعَلِیْمُ، الْقَابِضُ، الْبَاسِطُ، الْخَافِضُ، الرَّافِعُ، الْمُعِزُّ، الْمُذِلُّ، السَّمِیْعُ، الْبَصِیْرُ، الْحَکَمُ، الْعَدْلُ، اللَّطِیْفُ، الْخَبِیْرُ، الْحَلِیْمُ، الْعَظِیْمُ، الْغَفُوْرُ، الشَّکُوْرُ، الْعَلِیُّ، الْکَبِیْرُ، الْحَفِیْظُ، الْمُقِیْتُ، الْحَسِیْبُ،

اَلْجَلِیْلُ ، اَلْکَرِیْمُ ، اَلرَّقِیْبُ ، اَلْمُجِیْبُ، اَلْوَاسِعُ ، اَلْحَکِیْمُ ، اَلْوُدُوْدُ ، اَلْمَجِیْدُ ، اَلْبَاعِثُ ، اَلشَّهِیْدُ ، اَلْحَقُّ ، اَلْوَکِیْلُ، اَلْقَوِیُّ، اَلْمَتِیْنُ ، اَلْوَلِیُّ ، اَلْحَمِیْدُ ، اَلْمُحْصِی ، اَلْمُبْدِئُ ، اَلْمُعِیْدُ ، اَلْمُحْیِ، اَلْمُمِیْتُ، اَلْحَیُّ، اَلْقَیُّوْمُ ، اَلْوَاجِدُ، اَلْمَاجِدُ، اَلْوَاحِدُ، اَلصَّمَدُ، اَلْقَادِرُ، اَلْمُقْتَدِرُ، اَلْمُقَدِّمُ، اَلْمُؤَخِّرُ، اَلْاَوَّلُ، اَلْاٰخِرُ، اَلظَّاهِرُ، اَلْبَاطِنُ، اَلْوَالِیُ، اَلْمُتَعَالِی، اَلْبَرُّ ، اَلتَّوَّابُ ، اَلْمُنْتَقِمُ ، اَلْعَفُوُّ ، اَلرَّءُوْفُ ، مَالِكُ الْمُلْكِ ، ذُوالْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ ، اَلْمُقْسِطُ، اَلْجَامِعُ، اَلْغَنِیُّ، اَلْمُغْنِی، اَلْمَانِعُ، اَلضَّآرُّ، اَلنَّافِعُ، اَلنُّوْرُ، اَلْهَادِی، اَلْبَدِیْعُ، اَلْبَاقِی، اَلْوَارِثُ، اَلرَّشِیْدُ، اَلصَّبُوْرُ

(ترمذی ابواب الدعوات)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

باستثنائے اسم ذات اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، جو زندگی میں ان کو مدنظر رکھے گا اور ان کا مظہر بننے کی کوشش کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ یہ نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح گنے: اللہ تعالیٰ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بن مانگے دینے والا، بار بار رحم کرنے والا، بادشاہ، ہر قسم کے نقائص سے پاک اور منزہ، تمام آفات سے بچانے والا، امن دینے والا، نگہبان، غالب، نقصان کی تلافی کرنے والا، کبریائی والا، پیدا کرنے والا، نیست سے ہست کرنے والا، صورت گری کرنے والا، ڈھانپنے اور پردہ پوشی کرنے والا، مکمل غلبہ رکھنے والا، بے دریغ عطا کرنے والا، روزی رساں، مشکل کشا، سب کچھ جاننے والا، روک لینے والا، کشادگی پیدا کرنے والا، پست کرنے والا، بالا کرنے والا، عزت دینے

والا، ذلت دینے والا، سننے والا، دیکھنے والا، فیصلہ دینے والا، عدل کرنے والا، باریک بین، باخبر، حلم والا، عظمت والا، خطا پوش، قدردان، بلند مرتبہ، بڑی شان والا، نگرانی کرنے والا، سب کا محافظ، حساب کتاب لینے والا، جلالت شان والا، صاحب کرم و کرامت، نگہبان، قبول کرنے والا، وسعت والا، حکمت والا، بڑا محبت کرنے والا، بزرگی والا، دوبارہ زندگی دینے والا، ہمہ بین، ہر کمال کا دائمی اہل، کفایت کرنے والا، صاحب قوت، صاحب قدرت، مددگار، لائق حمد، شمار کنندہ، اول آفرینندہ، باز آفرینندہ، زندگی بخشنے والا، موت دینے والا، زندہ جاوید، قائم بالذات، بے نیاز، صاحب بزرگی، یکتا، یگانہ، مستغنی، قدرت والا، صاحب اقتدار، آگے بڑھانے والا، پیچھے ہٹانے والا، پہلا، آخری، عیاں، نہاں، مالک، متصرف، بلند و بالا، نیکوں کی قدر کرنے والا، توجہ قبول کرنے والا، انتقام لینے والا، معاف کرنے والا، نرم سلوک کرنے والا، بادشاہت کا مالک، عظمت و کرامت والا، انصاف کرنے والا، یکجا کرنے والا، بے نیاز، بے نیاز کرنے والا، روکنے والا، ضرر کا مالک، نفع دینے والا، نور ہی نور، ہدایت دینے والا، نئے سے نئی ایجاد کرنے والا، صاحب بقا، اصل مالک، راہنما، سزا دینے میں دھیما۔

اللہ تعالیٰ نے صفات باری میں سے سورۃ فاتحہ یعنی اُمّ القرآن میں جن صفات کے ذریعہ اپنا تعارف فرمایا ہے۔ ان کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

خدا تعالیٰ کی چار اعلیٰ درجہ کی صفتیں ہیں جو ’’ام الصفات‘‘ ہیں اور ہر ایک صفت ہماری بشریت سے ایک امر مانگتی ہے اور وہ چار صفتیں یہ ہیں۔ ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، مالکیت یوم الدین۔

’’۱۔ **ربوبیت:**۔ اپنے فیضان کے لئے عدم محض اشیاء یا مشابہ بالعدم کو

چاہتی ہے۔اور تمام انواع مخلوق کے خواہ جاندار ہوں یا غیر جاندار اس سے پیرایہ وجود پہنتے ہیں۔

۲۔**رحمانیت**:۔اپنے فیضان کے لئے صرف عدم کو چاہتی ہے۔یعنی اس عدم محض کو جس کے وقت میں وجود کا کوئی اثر اور ظہور نہ ہو اور صرف جانداروں سے تعلق رکھتی ہے اور چیزوں سے نہیں۔

۳۔**رحیمیت**:۔اپنے فیضان کے لئے موجود ذوالعقل کے منہ سے نیستی اور عدم کا اقرار چاہتی ہے اور صرف نوع انسان سے تعلق رکھتی ہے۔

۴۔**مالکیت یوم الدین**:۔اپنے فیضان کے لئے فقیرانہ تضرع اور الحاح کو چاہتی ہے اور صرف ان انسانوں سے تعلق رکھتی ہے جو گداؤں کی طرح حضرت احدیت کے آستانہ پر گرتے ہیں اور فیض پانے کے لئے دامن اخلاص پھیلاتے ہیں اور سچ مچ اپنے آپ کو تہی دست پا کر خدا تعالیٰ کی مالکیت پر ایمان لاتے ہیں۔

یہ چار الٰہی صفات ہیں جو دنیا میں کام کر رہی ہیں اور ان میں سے جو رحیمیت کی صفت ہے وہ دعا کی تحریک کرتی ہے۔اور مالکیت کی صفت خوف اور قلق کی آگ سے گداز کر کے سچا خشوع اور خضوع پیدا کرتی ہے کیونکہ اس صفت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ مالک جزاء ہے کسی کا حق نہیں جو دعویٰ سے کچھ طلب کرے اور مغفرت اور نجات محض فضل پر ہے۔''

(ایام الصلح روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۴۳)

اُمّ الصفات کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام مزید فرماتے ہیں:

''سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی چار صفتیں بیان فرمائی ہیں۔یعنی رب العالمین، رحمٰن، رحیم، مالک یوم الدین اور ان چہار صفتوں میں سے رب العالمین

کوسب سے مقدم رکھا ہے اور پھر بعد اس کے صفت رحمٰن کو ذکر کیا اور پھر صفت رحیم کو بیان فرمایا۔ پھر سب سے اخیر صفت مالک یوم الدین کو لائے۔ پس سمجھنا چاہیے کہ یہ ترتیب خدا تعالیٰ نے کیوں اختیار کی اس میں نکتہ یہ ہے کہ ان صفات اربعہ کی ترتیب طبعی ہے اور اپنی واقعی صورت میں اسی ترتیب سے یہ صفات ظہور پذیر ہوتی ہیں۔''

(براہین احمدیہ ہر چہار حصص روحانی خزائن جلد ا صفحہ ۴۴۴)

پھر آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''یہ چار صفتیں ہیں جو اس کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں یعنی اس کے پوشیدہ وجود کا ان صفات کے ذریعہ سے اس دنیا میں پتہ لگتا ہے۔''

(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۲۷۹)

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبداء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا
ہے عجب جلوہ تیری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی راہ ہے تیرے دیدار کا
ہیں تیری پیاری نگاہیں دلبرا ایک تیغ تیز
جن سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غم اغیار کا

(سرمہ چشم آریہ روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۵۲)

صفات باری تعالیٰ کو پیش کرنے کا یہ ایک نیا اسلوب ہے جس کی طرف راہنمائی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی ہے۔اس اصول کے تحت خدا تعالیٰ کی اُمّ الصفات کی تشریحات کے ساتھ ساتھ ان سے نکلنے والی دیگر صفات الٰہیہ کا علم حاصل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا ایک نیا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ جو اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

عطا فرمایا ہے۔تا مخلوق خدا جو اپنے خالق و مالک سے دور جا پڑی ہے پھر سے اس کو پہچاننے لگ جائے اور اس کے پیار اور حسن و احسان کے جلوے مشاہدہ کرے۔اور اس طرح سے اس کا گرویدہ ہو کر عشق الٰہی کا مزہ چکھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں؟ کس دف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں؟ اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں؟''

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۱)

حسن واحسان کا منبع۔خدا تعالیٰ کی صفات اربعہ

انسانی پیدائش کا مقصد خدا تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنا ہے اور اس کا عبد بننا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (البقرة:139)

اللہ تعالیٰ کا رنگ اختیار کرو اور خدا تعالیٰ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہوسکتا ہے۔پس خدا تعالیٰ کا رنگ اپنے اوپر چڑھانے کے لئے اس کا عرفان حاصل کرنا ضروری ہے اور عرفان الٰہی اس کی صفات کو جاننے، ان پر غور کرنے اور اسی کی ان صفات کے جلوے اپنے گردوپیش دیکھتے رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔جس کی دعوت اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا دی۔مثلاً فرمایا:

وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران:192)

''خدا تعالیٰ کی صفت خلق کا مظاہر جو تمہارے گرد و پیش عالمین میں بکھرے پڑے ہیں ان میں فکر کرو اور دیکھو کیسے اس نے زمین وآسمان کو اور پھر ان میں دیگر آسمان کو اور پھر ان میں دیگر ان گنت مخلوقات کو پیدا کیا اور انہیں اپنی حکمت کاملہ کے ساتھ تخلیق کیا اور اپنے خالق ہونے نیز البارى اور المصور ہونے کا اعلیٰ درجے کا ثبوت فراہم کیا۔خدا تعالیٰ کی تمام صفات اندرونی طور پر ایک دوسرے سے مربوط ہیں کیونکہ وہ سب ایک ہی ہستی کی صفات اور مختلف پَرتَو ہیں اسی لئے خدا تعالیٰ کی ایک صفت کا جلوہ دیگر بہت سی صفات کی طرف رہنمائی کرتا ہے جیسے کہ وہ عزیز ہے اسی کا غلبہ قدرت مخلوق پر مستولی ہے۔وہ جبار ہے۔ہر ٹوٹ پھوٹ کے جوڑنے جاڑنے کا انتظام اس نے کر چھوڑا ہے۔غرضیکہ اس کی صفات کے جلووں کا مطالعہ کرنے اور اس کی صفات پر غور کرنے سے انسانی عقل کی رہنمائی واحد فی الذّات الٰہ کی طرف ہوتی ہے اور توحید باری تعالیٰ کا

مضمون کھلتا ہے۔

''خدا تعالیٰ کا ذاتی نام اللہ ہے اور اللہ اُس ذات کا نام ہے جس کی تمام خوبیاں حُسن واحسان کے کمال کے نقطہ پر پہنچی ہوئی ہوں اور کوئی مَنقصت اُس کی ذات میں نہ ہو۔قرآن شریف میں تمام صفات کا موصوف صرف اللہ کے اسم کو ہی ٹھہرایا ہے تا اِس بات کی طرف اشارہ ہو کہ اللہ کا اسم تب متحقق ہوتا ہے کہ جب تمام صفات کاملہ اس میں پائی جائیں۔''

(ایام الصلح روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۴۷)

''اللہ جس کا ترجمہ ہے ''وہ معبود''۔یعنی وہ ذات جو غیر مدرک اور فوق العقول اور وراء الوراء اور دقیق در دقیق ہے جس کی طرف ہر ایک چیز عابدانہ رنگ میں یعنی عشقی فنا کی حالت میں جو نظری فنا ہے یا حقیقی فنا کی حالت میں جو موت ہے رجوع کر رہی ہے۔''

(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد نمبر ۱۷ صفحہ ۲۶۸)

ذاتی نام کے علاوہ خدا تعالیٰ کے صفاتی نام احادیث رسول ﷺ میں ۹۹ بیان کئے گئے ہیں جن میں سے ۲۹ تو ایسے ہیں جو لفظاً قرآن مجید میں موجود نہیں البتہ ان کے مشتقات ہیں اور ۷۰ نام بجنسہٖ موجود ہیں۔اس وقت خدا تعالیٰ کی صرف ان چار صفات کا تذکرہ مقصود ہے جو سورہ فاتحہ میں بیان ہیں اور جنہیں اُمہات الصفات کہا گیا ہے۔سورہ فاتحہ ہر رکعت نماز میں پڑھی جاتی ہے۔بزرگان دین اور اولیاء اللہ نے اس کے بار بار دہرانے کو روحانی مقاصد کے لئے مفید بتایا ہے۔

سچ ہے خدا تعالیٰ نے اپنی ذات کا تعارف ابتدائے قرآن کریم میں چار صفات کے ذریعہ فرمایا ہے اور باقی کی تمام صفات کسی نہ کسی صفات کے ذیل میں آتی ہیں جیسے سورۃ فاتحہ اُمّ الکتاب ہے جس کی سات آیات کی تفسیر قرآن کریم ہے یا یہ کہہ دیں کہ قرآن کریم کا خلاصہ

جس طرح سورۃ فاتحہ ہے اسی طرح امہات الصفات اپنے اندر دیگر صفات کو لئے ہوئے ہیں چنانچہ صفات باری تعالیٰ کے مضمون کو امہات الصفات کے چار ابواب میں باندھ دیا گیا ہے اس اصول کو سمجھنے کے بعد امہات الصفات اور صفات الٰہی کے مضمون کا سمجھنا کافی آسان ہو جاتا ہے اور اس اصول کے تحت قرآن کریم میں بیان شدہ صفات پر غور کرنے سے عرفان الٰہی میں ترقی ہوتی ہے۔ وباللہ التوفیق

صفات باری سے کس طرح استفادہ کیا جا سکتا ہے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام فرماتے ہیں:

''پھر اس سورت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ صفات باری تعالیٰ اس کے مطابق اثر دکھاتی ہیں۔ جتنا بندہ کو ان پر ایمان ہو اور جب کوئی عارف خدا تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کی طرف توجہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کو اپنی روحانی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے اور اس پر ایمان لے آتا ہے پھر ایمان لے آتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ایمان میں فنا ہو جاتا ہے تو اس صفت کی روحانی تاثیر اس کے دل میں داخل ہو جاتی ہے اور اس پر قبضہ کر لیتی ہے۔ تب سالک مشاہدہ کرتا ہے کہ اس کا سینہ غیر اللہ کی محبت سے خالی ہے اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے اور اس کی زندگی محسن خدا کی یاد کی وجہ سے نہایت خوشگوار بن گئی ہے پس وہ ہر لحاظ سے خوش و خرم ہو جاتا ہے پھر اس پر اس صفت کی مزید تجلی ہوتی ہے اور وہ اس پر چھا جاتی ہے یہاں تک کہ ایسے بندہ کا دل اس صفت کا عرش بن جاتا ہے اور نفسانیت کا رنگ بالکل دُھل جانے اور بندہ کے فانی فی اللہ ہونے کے بعد اس کا دل اس صفت کے رنگ میں خوب رنگین ہو جاتا ہے۔''

(ترجمہ از کرامات الصادقین صفحہ ۸۳، ۸۴)

پہلی اُم الصفات ربوبیت کا فیضان

''یہ وہ فیضان مطلق ہے کہ جو بلاتمیز ذی روح وغیر ذی روح افلاک سے لے کر خاک تک تمام چیزوں پر علی الاتصال جاری ہے اور ہر یک چیز کا عدم سے صورت وجود پکڑنا اور پھر وجود کا حد کمال تک پہنچنا اسی فیضان کے ذریعہ سے ہے۔ اور کوئی چیز جاندار ہو یا غیر جاندار اس سے باہر نہیں۔ اسی سے وجود تمام ارواح و اجسام ظہور پذیر ہوا اور ہوتا ہے اور ہر یک چیز نے پرورش پائی اور پاتی ہے۔ یہی فیضان تمام کائنات کی جان ہے اگر ایک لحہ منقطع ہو جائے تو تمام عالم نابود ہو جائے۔ اور اگر نہ ہوتا تو مخلوقات میں سے کچھ بھی نہ ہوتا۔ اس کا نام قرآن شریف میں ربوبیت ہے۔ اور اسی کی رو سے خدا کا نام رب العالمین ہے۔ جیسا کہ اس نے دوسری جگہ بھی فرمایا ہے۔

وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ۔ (الانعام:۱۶۵)

یعنی خدا ہر یک چیز کا رب ہے اور کوئی چیز عالم کی چیزوں میں سے اس کی ربوبیت میں سے باہر نہیں۔ رسول خدا نے سورۃ فاتحہ میں سب صفات فیضانی میں سے پہلے صفت رب العالمین کو بیان فرمایا۔

دوسری اُم الصفات رحمانیت کا فیضان

''دوسرا قسم فیضان کا جو دوسرے مرتبہ پر واقع ہے۔۔۔۔ یہ ایک خاص عنایت ازلیہ ہے جو جانداروں کے حال پر مبذول ہے یعنی ذی روح چیزوں کی طرف حضرت باری کی جو ایک خاص توجہ ہے، اس کا نام فیضان عام ہے۔ اور اس فیضان کی یہ تعریف ہے کہ یہ بلا استحقاق اور بغیر اس کے کہ کسی کا کچھ حق ہو سب ذی روحوں پر حسب حاجت ان کے جاری ہے۔ کسی کے عمل کا پاداش نہیں۔ اور اسی فیضان کی برکت سے ہر یک جاندار جیتا جاگتا، کھاتا پیتا اور آفات سے محفوظ اور ضروریات سے متمتع نظر آتا ہے اور ہر یک ذی روح کے لئے تمام اسباب

زندگی کے جو اس کے لئے یا اس کے نوع کے بقا کے لئے مطلوب ہیں میسر نظر آتے ہیں اور یہ سب آثار اسی فیضان کے ہیں کہ جو کچھ روحوں کو جسمانی تربیت کے لئے درکار ہے۔سب کچھ دیا گیا ہے۔اور ایسا ہی جن روحوں کو علاوہ جسمانی تربیت کے روحانی تربیت کی بھی ضرورت ہے یعنی روحانی ترقی کی استعداد رکھتے ہیں۔ان کے لئے قدیم سے عین ضرورتوں کے وقتوں میں کلام الٰہی نازل ہوتا رہا ہے۔غرض اسی فیضانِ رحمانیت کے ذریعہ سے انسان اپنی کروڑہا ضروریات پر کامیاب ہے۔سکونت کے لئے سطحِ زمین، روشنی کے لئے چانداور سورج، دم لینے کے لئے ہوا، پینے کے لئے پانی، کھانے کے لئے انواع اقسام کے رزق اور علاج امراض کے لئے لاکھوں طرح کی ادویہ اور پوشاک کے لئے طرح طرح کی پوشیدنی چیزیں اور ہدایت پانے کے لئے صحف ربانی موجود ہیں اور کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ یہ تمام چیزیں میرے عملوں کی برکت سے پیدا ہو گئیں ہیں۔۔۔۔پس ثابت ہے کہ یہ فیضان جو ہزارہا طور پر ذی روحوں کے آرام کے لئے ظہور پذیر ہورہا ہے یہ عطیہ بلا استحقاق ہے جو کسی عمل کے عوض میں نہیں فقط ربانی رحمت کا ایک جوش ہے تا ہریک جاندار اپنے فطرتی مطلوب کو پہنچ جائے اور جو کچھ اس کی فطرت میں حاجتیں ڈالی گئیں وہ پوری ہو جائیں۔پس اس فیضان میں عنایت ازلیہ کا کام یہ ہے کہ انسان اور جمیع حیوانات کی ضروریات کا تعہد کرے اور ان کی بائیست اور نابائیست کی خبر رکھے تا وہ ضائع نہ ہو جائیں اور ان کی استعدادیں حیّزِ کتمان میں نہ رہیں اور اس صفت فیضانی کا خدائے تعالیٰ کی ذات میں پایا جانا قانون قدرت کے ملاحظہ سے نہایت بدیہی طور پر ثابت ہورہا ہے کیونکہ کسی عاقل کو اس میں کلام نہیں کہ جو کچھ چانداور سورج اور زمین اور عناصر وغیرہ ضروریات دنیا میں پائی جاتی ہیں جن پر تمام ذی روحوں کی زندگی کا مدار ہے اسی فیضان کے اثر سے ظہور پذیر ہیں اور ہر یک متنفس بلاتمیز انسان وحیوان ومومن وکافر ونیک وبد حسب حاجت اپنے ان فیوض مذکورہ بالا سے مستفیض ہورہا ہے اور کوئی ذی روح اس سے محروم نہیں اور اس فیضان کا نام قرآن شریف میں رحمانیت ہے۔‘‘

ترجمہ آیات سورہ فرقان رکوع ۵،۶ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’یعنی جب کافروں اور بے دینوں اور دہریوں کو کہا جاتا ہے کہ تم رحمٰن کو سجدہ کروتو وہ رحمٰن کے نام سے متنفر ہو کر بطور انکار سوال کرتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے۔‘‘ (پھر بطور جواب فرمایا):

’’رحمان وہ ذات کثیر البرکت اور مصدر خیرات دائمی ہے جس نے آسمان میں بُرج بنائے۔ برجوں میں آفتاب اور چاند کو رکھا جو کہ عامہ مخلوقات کو بغیر تفریق کافر و مومن کے روشنی پہنچاتے ہیں۔ اسی رحمان نے تمہارے لئے یعنی تمام بنی آدم کے لئے دن اور رات بنائے جو کہ ایک دوسرے کے بعد دورہ کرتے رہتے ہیں تا جو شخص طالب معرفت ہو وہ ان دقائق حکمت سے فائدہ اٹھاوے اور جہل اور غفلت کے پردہ سے خلاصی پاوے اور جو شخص شکر نعمت کرنے پر مستعد ہو۔ وہ شکر کرے۔ رحمان کے حقیقی پرستار وہ لوگ ہیں کہ جو زمین پر بردباری سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے سخت کلامی سے پیش آئیں تو سلامتی اور رحمت کے لفظوں سے ان کا معاوضہ کرتے ہیں یعنی بجائے سختی کے نرمی اور بجائے گالی کے دعا دیتے ہیں۔ اور تشبہ باخلاق رحمانی کرتے ہیں کیونکہ رحمان بھی بغیر تفریق نیک و بد کے اپنے سب بندوں کو سورج اور چاند اور زمین اور دوسری بے شمار نعمتوں سے فائدہ پہنچاتا ہے۔ پس ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اچھی طرح کھول دیا کہ رحمان کا لفظ ان معنوں کر کے خدا پر بولا جاتا ہے کہ اس کی رحمت وسیع عام طور پر ہر یک برے بھلے پر محیط ہو رہی ہے۔ جیسا ایک جگہ اور بھی اسی رحمت عام کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ

(الاعراف:۱۵۷)

’’یعنی میں اپنا عذاب جس کو لائق اس کے دیکھتا ہوں پہنچاتا ہوں اور میری رحمت نے ہر یک چیز کو گھیر رکھا ہے۔۔۔۔۔ اگر خدا میں صفت رحمانیت

کی نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ تم اس کے عذاب سے محفوظ رہ سکتے ۔۔۔۔(پھر فرمایا) پرندے بھی جو ایک پیسہ کے دو تین مل سکتے ہیں وہ بھی اس فیضان کے وسیع دریا میں خوشی اور سرور سے تیر رہے ہیں۔۔۔۔۔(اس کے تحت) خدائے تعالیٰ آپ ہی ہر یک ذی روح کو اس کی ضروریات جن کا وہ حسب فطرت محتاج ہے عنایت فرماتا ہے اور بن مانگے اور بغیر کسی کوشش کے مہیا کر دیتا ہے۔"

(براہین احمدیہ چہار حصص روحانی خزائن جلد ا حاشیہ ۴۴۵ تا ۴۵۰)

تیسری اُم الصفات رحیمیت کا فیضان

"لیکن فیضان خاص میں جہد اور کوشش اور تزکیہ قلب اور دعا اور تضرع اور توجہ الی اللہ اور دوسرا ہر طرح کا مجاہدہ جیسا کہ موقع ہو شرط ہے اور اس فیضان کو وہی پاتا ہے جو ڈھونڈتا ہے اور اسی پر وارد ہوتا ہے جو اس کے لئے محنت کرتا ہے اور اس فیضان کا وجود بھی ملاحظہ قانون قدرت سے ثابت ہے کیونکہ یہ بات نہایت بدیہی ہے کہ خدا کی راہ میں سعی کرنے والے اور غافل رہنے والے دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ بلاشبہ جو لوگ دل کی سچائی سے خدا کی راہ میں کوشش کرتے ہیں اور ہر یک تاریکی اور فساد سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں ایک خاص رحمت ان کے شامل حال ہو جاتی ہے۔اس فیضان کے رو سے خدائے تعالیٰ کا نام قرآن شریف میں رحیم ہے اور یہ مرتبہ صفت رحیمیت کا بوجہ خاص ہونے اور مشروط بہ شرائط ہونے کے مرتبہ صفت رحمانیت سے موخر ہے۔۔۔۔۔جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے:

وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا۔ (الاحزاب:۴۴)

یعنی خدا کی رحیمیت صرف ایمانداروں سے خاص ہے جس سے کافر کو یعنی بے ایمان اور سرکش کو حصہ نہیں۔

اس جگہ دیکھنا چاہیے کہ خدا نے کیسے صفت رحیمیت کو مومن کے ساتھ خاص کر دیا لیکن رحمانیت کو کسی جگہ مومنین کے ساتھ خاص نہیں کیا بلکہ جو مومنین سے رحمت خاص متعلق ہے ہر جگہ اس کو رحیمیت کی صفت سے ذکر کیا ہے۔ پھر دوسری جگہ فرمایا ہے۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (الاعراف:۵۷)

یعنی رحیمیت الٰہی انہی لوگوں سے قریب ہے جو نیکو کار ہیں۔''

(براہین احمدیہ چہار حصص روحانی خزائن جلد نمبر ۱ حاشیہ صفحہ ۴۵۱)

آپ علیہ السلام اس صفت کے ذیل میں ہی ایک جگہ فرماتے ہیں:

''اب دعا سے انکار کرنا یا اس کو بے سود سمجھنا یا جذب فیوض کے لئے اس کو ایک محرّک قرار نہ دینا گویا خدا تعالیٰ کی تیسری صفت سے جو رحیمیّت ہے انکار کرنا ہے۔ مگر یہ انکار در پردہ دہریّت کی طرف ایک حرکت ہے کیونکہ رحیمیّت ہی ایک ایسی صفت ہے جس کے ذریعہ سے باقی تمام صفات پر یقین بڑھتا اور کمال تک پہنچتا ہے۔ وجہ یہ کہ جب ہم خدا تعالیٰ کی رحیمیّت کے ذریعہ سے اپنی دعاؤں اور تضرّعات پر الٰہی فیضوں کو پاتے ہیں اور ہر ایک قسم کی مشکلات حل ہوتی ہیں تو ہمارا ایمان خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی قدرت اور رحمت اور دوسری صفات کی نسبت بھی حق الیقین تک پہنچتا ہے اور ہمیں چشم دید ماجرا کی طرح سمجھ آ جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ درحقیقت حمد اور شکر کا مستحق ہے اور درحقیقت اس کی ربوبیّت اور رحمانیّت اور دوسری صفات سب درست اور صحیح ہیں لیکن بغیر رحیمیّت کے ثبوت کے دوسری صفات بھی مشتبہ رہتی ہیں۔''

(ایام الصلح روحانی خزائن جلد نمبر ۱۴ صفحہ ۲۴۳، ۲۴۴)

پس خدا تعالیٰ کی یہ ہر دو صفات یعنی رحمانیت اور رحیمیت اس کی ربوبیت کو عام و خاص کے دائروں میں تقسیم کرتی ہیں۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ اس کے جلال و جمال اور احسان کو ظاہر کرتی

ہیں ۔رحیمیت ، ربوبیت اور استعداد معرفت کے مطابق سلوک ہوتا ہے اور رحمانیت ربوبیت کی وہ عام قسم ہے جس میں رحمت باری کی ایک عام ہوا چلتی ہے ۔قویٰ کے کسب وعمل وکوشش کا کوئی دخل نہیں ۔لیکن موردرحم زیر رحیمیت ہونے کے لئے اعمال صالحہ کے بجا لانے اور تزکیہ نفس حاصل کرنے ریا وغیرہ سے بکلی مجتنب رہنے اور خلوص کے کمال اور طہارت قلب کی ضرورت ہے تا خدائے ذوالجلال کی اس صفت رحیمیت کا پرَتوَ ظاہر ہو۔جب تک موت کے قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوجائے اس کا ورود نہیں ہوتا۔حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام فرماتے ہیں:

''پس مبارک ہیں وہ لوگ جنہیں ان نعمتوں سے حصہ ملا بلکہ وہی اصل انسان اور باقی تمام لوگ تو چار پایوں کی طرح ہیں۔''

(اعجازالمسیح)

سچ ہے خدا تعالیٰ کی کی ذات وصفات کا عرفان ہی ہے جو انسان کو انسان بناتا ہے بلکہ ایسا انسان مزید ترقی کرتا ہے اور پھر عرفان کے سمندر میں غوطہ زن ہوکر خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر اور خدا نما بن جاتا ہے۔اور ایسے وجودوں کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔گویا وہ خدا تعالیٰ کی تصویر بن جاتے ہیں۔اور سب سے کامل مظہر ان صفات باری کے ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے۔جنہوں نے دنیا میں آکر خدا تعالیٰ کے پوشیدہ چہرے کو عریاں کر دکھایا۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہی فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ۹۹ نام ہیں۔

مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ (متفق علیہ)

یعنی جس نے انہیں شمار کیا ان کے معانی پر اطلاع پائی۔ان کا عرفان حاصل کیا۔وہ جنت میں داخل ہوگیا۔

چوتھی اُم الصفات مالکیت کا فیضان

''اس آخری فیضان میں کہ جو تمام فیوض کا خاتمہ ہے جو کچھ پہلے فیضانوں کی نسبت عندالعقل زیادتی اور کمالیت متصور ہوسکتی ہے وہ یہی ہے کہ یہ فیضان نہایت منکشف اور صاف

طور پر ہو اور۔۔۔۔شخص فیض یاب کو بطور حق الیقین یہ امر مشہود اور محسوس ہو کہ حقیقت میں وہ مالک الملک ہی اپنے ارادہ اور توجہ اور قدرت خاص سے ایک نعمت عظمیٰ اور لذت کبریٰ اس کو عطا کر رہا ہے اور حقیقت میں اس کو اپنے اعمال صالحہ کی ایک کامل اور دائمی جزا کہ جو نہایت اصفیٰ اور نہایت اعلیٰ اور نہایت مرغوب اور نہایت محبوب ہے مل رہی ہے۔ کسی قسم کا امتحان اور ابتلا نہیں ہے۔ اور ایسے فیضان اکمل اور اتم اور ابقٰی اور اعلیٰ اور اجلیٰ سے متمتع ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ بندہ اس عالم ناقص اور مکدر اور کثیف اور تنگ اور منقبض اور ناپائیدار مشتبہ الحال سے دوسرے عالم کی طرف انتقال کرے۔ کیونکہ یہ فیضان تجلیات عظمیٰ کا مظہر ہے جن میں شرط ہے کہ محسن حقیقی کا جمال بطور عریاں اور بمرتبہ حق الیقین مشہود ہو۔ اور کوئی مرتبہ شہود اور ظہور اور یقین کا باقی نہ رہ جائے۔ اور کوئی پردہ اسباب معتادہ کا درمیان نہ ہو۔ اور ہر یک دقیقہ معرفت تامہ کا مکمن قوت سے حیّز فعل میں آ جائے۔ اور نیز فیضان بھی ایسا منکشف اور معلوم الحقیقت ہو کہ اس کی نسبت آپ خدا نے یہ ظاہر کر دیا ہو کہ وہ ہر یک امتحان اور ابتلاء کی کدورت سے پاک ہے اور نیز اس فیضان میں وہ اعلیٰ اور اکمل درجہ کی لذتیں ہوں جن کی پاک اور کامل کیفیت انسان کے دل اور روح اور ظاہر اور باطن اور جسم اور جان اور ہر یک روحانی اور بدنی قوت پر ایسا اکمل اور ابقٰی احاطہ رکھتی ہو کہ جس پر عقلاً اور خیالاً اور وہماً زیادت متصور نہ ہو۔ اور یہ عالم کہ جو ناقص الحقیقت اور مکدّر الصورت اور ہالکۃ الذات اور مشتبہ الکیفیت اور ضیق الظرف ہے۔ ان تجلیات عظمیٰ اور انوار اصفیٰ اور عطیّات دائمی کی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور وہ اشعہ تامہ کاملہ دائمہ اس میں سما نہیں سکتے بلکہ اس کے ظہور کے لئے ایک دوسرا عالم درکار ہے کہ جو اسباب معتادہ کی ظلمت سے بکلی پاک اور منزہ اور ذات واحد قہار کی اقتدار کامل اور خالص کا مظہر ہے۔ ہاں اس فیضان اخص سے ان کامل انسانوں کو اسی زندگی میں کچھ حظ پہنچتا ہے کہ جو سچائی کی راہ پر کامل طور پر قدم مارتے ہیں اور اپنے نفس کے ارادوں اور خواہشوں سے الگ ہو کر بکلی خدا کی طرف جھک جاتے ہیں کیونکہ وہ مرنے سے پہلے مرتے ہیں اور اگرچہ بظاہر

صورت اس عالم میں ہیں لیکن درحقیقت وہ دوسرے عالم میں سکونت رکھتے ہیں۔
پس چونکہ وہ اپنے دل کو اس دنیا کے اسباب سے منقطع کر لیتے ہیں اور عادات بشریت کو توڑ کر اور بیکبارگی غیر اللہ سے مونہہ پھیر کر وہ طریق جو خارق عادت ہے اختیار کر لیتے ہیں اس لئے خداوند کریم بھی ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتا ہے اور بطور خارق عادت ان پر اپنے وہ انوار خاصہ ظاہر کرتا ہے کہ جو دوسروں پر بجز موت کے ظاہر نہیں ہو سکتے۔غرض بباعث امور متذکرہ بالا وہ اس عالم میں بھی فیضان اخص کے نور سے کچھ حصہ پا لیتے ہیں اور یہ فیضان ہر یک فیض سے خاص تر اور خاتمہ تمام فیضانوں کا ہے۔اور اس کو پانے والا سعادت عظمیٰ کو پہنچ جاتا ہے اور خوشحالی دائمی کو پا لیتا ہے جو تمام خوشیوں کا سرچشمہ ہے۔۔۔۔۔

دوسری جگہ بھی ارشاد فرما کر کہا ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۔ (المومن:۱۷)

یعنی اس دن ربوبیت الٰہیہ بغیر توسط اسباب عادیہ کے اپنی تجلی آپ دکھائے گی۔ اور یہی مشہود اور محسوس ہوگا کہ بجز قوت عظمیٰ اور قدرت کاملہ حضرت باری تعالیٰ کے اور سب ہیچ ہیں۔تب سارا آرام وسرور اور سب جزا اور پاداش بنظر صاف وصریح خدا ہی کی طرف سے دکھلائی دے گا اور کوئی پردہ اور حجاب درمیان نہیں رہے گا اور کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہے گی تب جنہوں نے اس کے لئے اپنے تئیں منقطع کرلیا تھا وہ اپنے تئیں ایک کامل سعادت میں دیکھیں گے کہ جو ان کے جسم اور جان اور ظاہر اور باطن پر محیط ہوجائے گی اور کوئی حصہ وجود ان کے کا ایسا نہیں ہوگا کہ جو اس سعادت عظمیٰ کے پانے سے بےنصیب رہا ہو۔اور اس جگہ مالک یوم الدین کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس روز راحت یا عذاب اور لذت یا درد جو کچھ بنی آدم کو پہنچے گا اس کا اصل موجب خدائے تعالیٰ کی ذات ہوگی اور مالک امر

مجازات کا حقیقی طور پر وہی ہوگا یعنی اس کا وصل یا فصل سعادت ابدی یا شقاوت ابدی کا موجب ٹھہرے گا۔ اس طرح پر کہ جو لوگ اس کی ذات پر ایمان لائے تھے اور توحید اختیار کی تھی اور اس کی خالص محبت سے اپنے دلوں کو رنگین کر لیا تھا ان پر انوار رحمت اس ذات کامل کے صاف اور آشکارا طور پر نازل ہوں گے۔ اور جن کو ایمان اور محبت الٰہیہ حاصل نہیں ہوئی وہ اس لذت اور راحت سے محروم رہیں گے اور عذاب الیم میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ فیوض اربعہ ہیں جن کو ہم نے تفصیل وار لکھ دیا ہے۔''

(براہین احمدیہ چہار حصص روحانی خزائن جلد نمبر ا صفحہ ۴۵۵، ۴۵۶ حاشیہ)

چاروں اُم الصفات کا مفہوم اور ان کی تشریح حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے الفاظ میں پیش کی گئی ہے۔ جب انسان ان صفات کے عرفان حاصل کرنے کے لئے سمندروں میں غوطہ زن ہوتا ہے تو جو ایسے سالک کے دل کی کیفیت ہوتی ہے وہ بھی آپ ملاحظہ کیجئے۔

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جب انسان خدا تعالیٰ کی ان صفات کے بارہ میں غور کرتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ کی دعا کے شروع میں بیان فرمایا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے کمال اور اس کے جلال کی تمام صفات اور ثناء اس پر مشتمل ہے۔ اور ہر قسم کے شوق اور محبت کے لئے محرک ہے اور یہ بھی جان لیتا ہے کہ اس کا رب تمام فیوض کا سرچشمہ ہے تمام بھلائیوں کا منبع، تمام آفات کا دور کرنے والا اور ہر قسم کی جزا سزا کا مالک ہے۔ نیز یہ کہ مخلوق کی پیدائش اسی سے شروع ہوئی ہے اور آخر کار مخلوقات اسی کی طرف لوٹائی جائیں گی۔ اور وہ عیوب و نقائص اور برائیوں سے پاک ہے اور تمام صفات کمال اور ہر قسم کی خوبیاں اس میں پائی جاتی ہیں تب انسان لازماً اللہ تعالیٰ کو ہی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے والا اور تمام

ہلاکتوں سے نجات دینے والا یقین کر لیتا ہے اسی کی رضا کی تلاش میں ہر قسم کے مصائب کو برداشت کرتا ہے۔ چاہے وہ نشانہ پر بیٹھنے والے تیر سے قتل کیوں نہ کر دیا جائے۔ رنج و غم اسے بے بس نہیں کر سکتے اور نہ وہ جانتا ہے کہ تھکان کیا چیز ہوتی ہے۔ خدا محبوب اسے اپنی طرف کھینچتا ہے اور بندہ چاہتا ہے کہ وہی اس کا مطلوب ہے۔ اپنے مالک کی رضا حاصل کرنے کے راستوں کی تلاش اس کے لئے آسان ہو جاتی ہے لہٰذا وہ اس کی طرف لے جانے والی راہوں میں پوری کوشش کرتا ہے خواہ وہ ہلاک کیوں نہ ہو جائے۔ اور وہ کسی آزمائش کے خوف سے ڈرتا نہیں بلکہ ہر ابتلاء کے لئے سینہ سپر ہو جاتا ہے اور اسی کے لئے اس کی محبت کے تذکرہ کے سوا اور کوئی ذکر باقی نہیں رہتا۔ دوسرے افکار اسے فریفتہ نہیں کرتے اور وہ خواہشات کی سواری سے اتر پڑتا ہے تا وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے گھوڑوں پر سوار ہو اور وہ جستجو کی باگیں بٹتا ہے تا وہ خدا کے حضور پہنچنے کے لئے دور کی مسافت طے کرے اور وہ ہمیشہ اس کے قرب میں رہتا ہے اور اپنے پیاروں میں سے کسی کو بھی اس کا ثانی نہیں بناتا اور اس کا دل خدا کے شریکوں کے درمیان بھٹکتا نہیں پھرتا وہ یہی دعا مانگتا رہتا ہے کہ:

يَا رَبِّ تسلّم قَلْبِیْ وَ تَكْفِينِی لِجَزْبِی وَ جَلْبِی وَ لَنْ يُصِيبَنِی حُسْنُ الْآخِرِيْنَ۔

اے میرے رب میرے دل کو اپنے قبضہ میں محفوظ رکھ مجھے اپنی طرف کھینچنے اور مائل کرنے کے لئے تو کافی ہو جا اور اوروں کا حسن مجھے کبھی فریفتہ نہ کر سکے۔ آمین۔''

(کرامات الصادقین۔ روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 14 مطبوعہ 1984ء لندن)

اسماء باری تعالیٰ کی تقسیم

اُم الصفات رب کے تحت صفات الٰہیہ

''ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے ہماری اعلیٰ لذّات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوب صورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لایق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھادوں۔ کس دَف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سُن لیں اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سُننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔''

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۱)

''اسلام کا خدا وہی سچا خدا ہے جو آئینہ قانون قدرت اور صحیفہ فطرت میں نظر آ رہا ہے۔'' (تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۱۵)

''اُس قادر اور سچے اور کامل خدا کو ہماری روح اور ہمارا ذرہ ذرہ وجود کا سجدہ کرتا ہے جس کے ہاتھ سے ہر ایک روح اور ہر ایک ذرہ مخلوقات کا مع اپنی تمام قویٰ کے ظہور پذیر ہوا اور جس کے وجود سے ہر ایک وجود قائم ہے اور کوئی چیز نہ اس کے علم سے باہر ہے اور نہ اُس کے تصرف سے نہ اُس کی خَلق سے۔ اور ہزاروں درود اور سلام اور رحمتیں اور برکتیں اُس پاک نبی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوں جس کے ذریعہ سے ہم نے وہ زندہ خدا پایا جو آپ کلام کر کے

اپنی ہستی کا آپ ہمیں نشان دیتا ہے۔‘‘

(نسیم دعوت روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۶۰)

سورہ فاتحہ میں بیان فرمودہ اُمہات الصفات میں بھی پہلی صفت رب العالمین ہے اس قاعدہ کلیہ کے تحت کہ باقی صفات ان اُمہات الصفات سے نکلی ہیں۔ یا ان امہات الصفات کا مختلف پیرایوں میں اظہار اور خدا تعالیٰ کی شان کے مختلف جلوے مختلف صفات کو جنم دیتے ہیں۔اس اصول سے یہ بات نتیجۃً اخذ ہوتی ہے کہ ان چاروں اُمہات الصفات کے تحت باقی صفات کی تشریح بیان کی جائے لیکن علم اسماء باری تعالیٰ اتنا وسیع مضمون ہے کہ اس کی انتہاء تک پہنچنا ہر ایک کا کام نہیں پھر صفات باری چونکہ ایک ذات اللہ کی صفات ہیں اور وہ آپس میں بہت مربوط ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ فلاں صفت صرف ربوبیت کے تحت ہے۔ رحمانیت یا رحیمیت کے تحت اس صفت کے جلوے ظاہر نہیں ہوتے یا نہیں ہو سکتے درست نہ ہوگا۔ جب کہ رحمانیت اور رحیمیت بھی ربوبیت کے جلووں کی درجہ بندی کرتی ہیں۔اور ان کے آگے بہت سے مظاہر ہیں جو مختلف صفات کا لباس پہن کر ہمارے سامنے نمودار ہوتے ہیں۔ مالکیت خدا تعالیٰ کی حاکمانہ شان کو ظاہر کرتی ہے۔جس کے تحت بھی بہت سی صفات کام کر رہی ہیں۔ پس جیسا کہ خدا تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ۔ (الرحمن:۳۰)

یعنی وہ ہر وقت ایک نئی حالت میں ہوتا۔اس کی ذات وصفات کے جلوے ہر آن نت نئی شان اور آن بان کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔جن کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ ایسا بے کنار سمندر ہے جس میں جتنے بھی غوطے لگائیے کم ہیں۔اور ایک عارف اس سمندر کی مچھلی ہے جو ہر آن خدا تعالیٰ کی سبوحیت کے ترانے گاتا ہے تب خدا تعالیٰ خود اس کو اپنے قریب کر لیتا ہے۔جیسا کہ اس نے فرمایا:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔ (الانعام:۱۰۴)

نظریں اس تک نہیں پہنچ سکتیں لیکن وہ نظروں تک پہنچتا ہے۔

۱۔ اَلرَّبُّ

مخلوقات کی پرورش کرنے والا اور اس کی ''تدریجاً'' تکمیل کرنے والا۔ سورہ انعام رکوع ۲۰ میں ہے:

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّھُوَ رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ۔ (الانعام:۱۶۵)

یعنی تو ان سے کہہ دے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب کی حیثیت میں پسند کروں حالانکہ وہ ہر ایک چیز کی پرورش کرنے والا ہے۔ پھر سورۃ فاتحہ میں فرمایا رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وہ تمام جہانوں کی پرورش کرنے والا ہے۔ چاہے وہ عالم سماوی ہو یا ارضی۔ عالم اجسام ہو یا عالم ارواح۔ عالم جواہر ہو یا عالم اعراض، عالم حیوانات ہو یا عالم جمادات۔ سب کا پرورش کنندہ وہی ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کو قرآن مجید میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ فرماتا ہے:

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَھُمَا۔ (الشعراء:۲۹)

وہ مشرق کا بھی رب ہے اور مغرب کا بھی۔ اور اس کا بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے۔

وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔ (التوبۃ:۱۲۹)

وہ عرش عظیم کا رب ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ۔ (الرحمن:۱۸)

وہ دونوں مشرقوں کا بھی رب ہے اور دونوں مغربوں کا بھی رب ہے۔

رَبِّ الْفَلَقِ۔ (سورۃ الفلق)

مخلوقات کا رب

رَبِّ النَّاسِ۔ (سورۃ الناس)

تمام انسانوں کا رب

پھر وہ عالم معاد میں بھی قول سلام سے ربوبیت فرمائے گا۔ جیسا کہ فرمایا:

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ۔ (یس:۵۹)

ان کوسلام کہا جائے گا جو بار بار کرم کرنے والے رب کی طرف سے ان کی طرف پیغام ہوگا۔پس اللہ تعالیٰ ہر شے کے تقاضوں کو پورا کرتا چلا جا رہا ہے اور اس طرح سے ربوبیت عالمین کے بے پناہ جلوے ہر آن نمودار ہو رہے ہیں۔وہ جسمانی ضروریات کے ساتھ ساتھ روحانی ضروریات کی تکمیل کا انتظام بھی فرماتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انزال وحی کو بھی صفت رب کے تحت بیان فرمایا ہے۔(الاحزاب:۳)۔وہ رب العالمین ہے تو اس نے صفات الٰہیہ کے کامل مظہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنایا ہے۔

۲۔ اَلْخَالِقُ

ہر چیز کا کامل حکمت کے ساتھ اندازہ کرنے والا۔اس کی خالقیت ایک تو اس طرح سے ہے کہ مادہ سے آگے تخلیق کا سلسلہ چل نکلا اور دوسرے یہ کہ نیست سے ہست میں لانا۔چنانچہ فرمایا:

لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ (الاعراف:۵۵)

یعنی پیدا کرنا بھی اسی کا کام ہے اور قانون بنانا بھی اسی کا کام ہے پس اس کے ذمہ ہر دو کو پیدا کرنا ہے جس کے ذریعہ سے اس کی ربوبیت عالمین کے تقاضے پورے ہو رہے ہیں۔فزکس کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ یہ کائنات بھی پھیلتی چلی جا رہی ہے اور ہر آن خلق اور امر کی صفات اپنے جلوے دکھا رہی ہے۔

چنانچہ وہ رب ارضین بھی ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں جہاں بھی دیگر زمینیں پائی جاتی ہیں اور حیات موجود ہے وہ ان کا بھی خالق ہے اور نہ صرف خالق بلکہ ہر طرح سے ان کی ربوبیت بھی فرما رہا ہے۔

۳۔ اَلبَارِی

ہر ایک چیز سے عمدہ خلاصہ الگ کرنے والا اور اسے بے نقص و تفاوت ظاہر کرنے والا۔ اور نیست سے ہست کرنے والا۔ فرمایا: وہ باری ہے یعنی روحوں اور اجسام کو عدم سے وجود بخشنے والا ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ (الحشر:۲۵)

(حق یہی ہے کہ) اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور ہر چیز کا موجد بھی ہے اور ہر چیز کو اس کے مناسب حال صورت دینے والا ہے۔ اس کی بہت سی اچھی صفات ہیں۔ گویا کہ وہ ہر چیز کا آرکیٹیکٹ ہے۔

۴۔ اَلْمُصَوِّر

مخلوقات کی طرح طرح کی صورتیں بنانے والا۔ یہ تینوں صفات پیدائش کی تین حالتوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ خَلق۔ جبکہ قبل از وجود اس کا اندازہ کیا جائے۔ اَلبَاری۔ تراش خراش کرنا اور تصویر۔ انتہائی حالت یعنی ہیئت بخشنے کے مفہوم کو ظاہر کرتی ہے۔ فرمایا:

يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ۔ (آل عمران:۷)

وہی ہے جو رحموں میں جیسی چاہتا ہے تمہیں صورت دیتا ہے۔

Genetics علوم پر آج کل بہت ریسرچ ہو رہی ہے یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے نباتات کے ہر بیج میں اس کے درخت کا بلیو پرنٹ بنا چھوڑا ہے اور تمام جانداروں کے جینز میں اس کے خواص اور خدوخال یعنی کریکٹر Pack کر دیئے ہیں۔ کہ اسی کے مطابق بعد میں تصویر بنتی چلی جاتی ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آم کے بیج سے کبھی سیب کا درخت پیدا ہو گیا ہو۔ یا انسان کے ہاں کبھی جانور کا بچہ پیدا ہو گیا ہو۔

۵۔ اَلْخَلّاق

بہت بڑا اندازہ کرنے والا اور خلق پر خلق کرنے والا۔قرآن کریم میں یہ اسم ایک اور اسم علیہم کے ساتھ مل کر آیا ہے۔کیونکہ خلاقیت کی صفت ایک عالم ہستی کا تقاضا کرتی ہے جیسا کہ فرمایا:

اَوَ لَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَھُمْ ؕ بَلٰی ٭ وَھُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ۔ (یٰس:۸۲)

کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس بات پر قادر نہیں کہ ان کی طرح کی اور مخلوق پیدا کردے۔ایسا خیال (کہ وہ پیدا نہیں کرسکتا) یہ درست نہیں بلکہ وہ بہت پیدا کرنے والا اور بہت جاننے والا ہے اور اب سائنسی تحقیقات نے بھی منکشف کر دیا ہے کہ جب دو Galaxies کے درمیان اتنی جگہ پیدا ہو جاتی ہے کہ ایک گلیکسی سما سکے تو ایک نئ گلیکسی نیست سے ہست میں آجاتی ہے۔اور اس کی خالقیت کا قصہ اس طرح چل رہا ہے اسی طرح سورہ حجر میں فرمایا:

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۔ (الحجر:۸۷)

یعنی ربوبیت عالمین کے جلوے اس کی خالقیت اور علمیت کے ذریعہ ظاہر ہو رہے ہیں۔

۶۔ اَلصَّانِعُ

بنانے والا، ترکیب دینے والا صانع حقیقی خدا تعالیٰ کی ذات ہے جس کی صفت بے نقص ہے جیسے کہ فرمایا:

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ

(النمل:۸۹)

یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے۔وہ تمہارے اعمال

سے خوب خبر دار ہے اور ہر چیز کی بناوٹ سے اس کی ربوبیت نظر آرہی ہے کہ اس نے کتنی مکمل اور بھلی بناوٹ بخشی ہے۔

۷۔ اَلْفَاطِر

اول ہی اول پیدا کرنے والا جیسا کہ فرمایا:

فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِىْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ

(بنی اسرائیل:۵۲)

وہ ضرور کہیں گے کہ کون ہمیں دوبارہ زندہ کر کے وجود میں لائے گا۔ تو انہیں کہہ کہ وہی خدا جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔

سورۃ انعام میں فرمایا:

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ

(الانعام:۱۵)

''تو کہہ دے کیا میں اللہ کے سوا جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے کوئی اور دوست بناؤں۔ حالانکہ وہ سب انسانوں کو کھلاتا ہے کسی کی طرف سے اس کو رزق نہیں دیا جاتا۔ پھر فرمایا:

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِىّٖ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔ (یوسف:۱۰۲)

اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت دونوں میں میرا مددگار ہے۔ جب بھی میری موت کا وقت آئے مجھے اپنی کامل فرماں برداری کی حالت میں وفات دے۔ اور صالحین کی جماعت کے ساتھ ملا دے اے خدا تعالیٰ جو فاطر ہے۔ تمام کارخانہ عالم کی ابتداء کر کے اس کی ضروریات وحسابات کا بھی خیال رکھتا ہے۔ اس لئے وہی ولی ہونے کے قابل بھی ہے پھر وہ رزاق بھی ہے جیسا کہ فرمایا:

وَھُوَ یُطْعِمُ۔ (الانعام:۱۵)

(اور وہ کھلاتا ہے) پس ان امور کی وجہ سے اس کی دوستی بھلی معلوم ہوتی ہے۔اس کے اتنے احسانات ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے۔

۸۔ اَلعَالِمُ

جاننے والا،علم کامل ربوبیت کے لئے ضروری ہے۔فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ عٰلِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (الفاطر:۳۹)

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا غیب جاننے والا ہے۔پھر فرمایا:

عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ الْکَبِیْرُ الْمُتَعَالِ۔ (الرعد:۱۰)

وہ غائب اور حاضر دونوں کا جاننے والا ہے۔بڑے مرتبہ والا اور بڑی شان والا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے علم کامل کی بناء پر عالم میں ہر ایک کی ربوبیت کر رہا ہے۔ایسے کہ کوشش اور خواہشات اور دعا کے بغیر تمام کارخانہ عالم کو چلا رہا ہے اور دوسری طرف کوشش اور دعا کا خیال بھی رکھ رہا ہے کیونکہ یہ بھی اس کے احاطہ علم میں ہیں۔وہ خالق کل ہے اس لئے عالم بھی ہے۔

۹۔ اَلرَّزَّاقُ

مخلوقات کو روزی پہنچانے والا۔رزّاق۔مبالغہ کا صیغہ ہے مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تمام مخلوقات کو مناسب حال اور موافق حکمت رزق پہنچاتا ہے۔رزق ان کے لئے بھی اور ان کی ارواح کے لئے بھی۔فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ۔ (الانبیاء:۳۱)

اور ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ کیا ہے اور ان کی حیات کا موجب بھی پانی ہے اور ارواح کی حیات بھی روحانی پانی یعنی وحی پر موقوف ہے۔اسی لئے فرمایا:

وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۔ (طٰهٰ:۱۳۲)

اور تیرے رب کا دیا ہوا رزق سب سے اچھا اور باقی رہنے والا ہے۔

يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۔ (البقرۃ:۲۱۳)

اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

وَ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔ (الطلاق:۴)

اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے رزق آنے کا خیال بھی نہیں ہوگا۔ ایسا معاملہ متقی اور متوکل کے ساتھ ہوتا ہے۔

۱۰۔ اَلْبَاعِثُ

اٹھانے والا، عالم پر روحانی موت طاری ہونے کے وقت روح پھونکنے والا ۔ رسول بھیجنے والا ۔ سوتوں کو جگانے والا ۔ جیسا کہ فرمایا:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا ۔ (الجمعة:۳)

وہی خدا ہے جس نے ایک اَن پڑھ قوم کی طرف اسی میں سے ایک شخص رسول بنا کر بھیجا ہے۔

قوموں کو رسول بھیج کر اٹھاتا ہے۔ ارسال مرسلین کے ذریعہ گری ہوئی اقوام کو اٹھا کر حقیقی عروج سے ہمکنار فرماتا ہے۔ ان میں عباد الرحمن پیدا فرماتا ہے اور ان اقوام و افراد کو حسنات الدنیا والاخرہ عطا فرماتا ہے یہاں تک کہ ارض خداوندی نور خداوندی سے جگمگانے لگتی ہے۔

۱۱۔ اَلْهَادِىُ

ہدایت کرنے والا، کامیاب کرنے والا ۔ فرمایا:

وَ اللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ (البقرۃ:۲۱۴)

اور اللہ تعالیٰ جسے پسند کرتا ہے۔ سیدھی راہ پر چلا دیتا ہے اور مَنْ يَّشَآءُ کی تشریح سورہ

فاتحہ میں کر دی گئی ہے۔وہ اس طرح کہ دعا لکھ دی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ جو عبودیت کے مقام کی جستجو کرتے ہوئے استعانت کا طالب ہوگا اس کو نتیجتاً ضرور ہدایت حاصل ہوگی اور اس کی روحانی اعتبار سے بھی ربوبیت ہوگی اور جسمانی اعتبار سے بھی یا یوں کہہ لیں کہ دنیاوی لحاظ سے بھی اور آخرت کے لحاظ سے بھی وہ منعم علیہم گروہ میں شامل ہو کر انعامات روحانی کا وارث ہوگا۔ بمطابق سورۃ نساء آیت ۷۱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اطاعت کے نتیجہ میں نبوت، صدیقیت ،شہیدیت اور صالحیت کے انعام پائے گا۔اس صفت کے مظہر کامل ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ کی اطاعت کامل سے روحانی انعامات ممکن الحصول ہیں اور یہ انعامات صالحیت ،شہیدیت ،صدیقیت ونبوت کے انعامات ہیں۔(سورۃ النساء آیت ۷۱)

۱۲۔اَلذَّارِئُ

پھیلانے والا۔فرمایا:

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ مِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ (الشوریٰ:۱۲)

وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔اسی نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے ساتھی بنائے ہیں اور چار پایوں کے بھی جوڑے بنائے ہیں اور اس طرح وہ تم کو زمین میں بڑھاتا ہے۔اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ بہت سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

۱۳۔اَلْمُدَبِّر

تدبیر کرنے والا یعنی اس طور پر امور عالم سرانجام دینے والا کہ جن کا انجام نیک ہو اور نتیجہ عمدہ برآمد ہو۔فرمایا:

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ بِلِقَآءِ رَبِّکُمْ تُوْقِنُوْنَ

(الرعد:۳)

اللہ تعالیٰ ہر امر کا انتظام کرتا ہے اور اپنی آیات کو کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم لوگ اپنے رب سے ملنے کا یقین رکھو۔ امر اور خلق اسی کے ہاتھ میں ہے اور بے شمار نشانات کائنات میں بکھرے پڑے ہیں جو اس کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ اور اس کی ہستی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی ملاقات کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ جہاں کہیں یُدَبِّرُ الْاَمْرَ فرمایا اس کے ساتھ تَکْوِیْنِ عَالَم کا ضرور ذکر فرمایا تا کہ احکام خداوندی کے نفاذ کی طرف توجہ ہو جائے۔ فرمایا:

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ۔ (السجدة:٦)

وہ آسمان سے زمین تک اپنے حکم کو اپنی تدبیر کے مطابق قائم کرتا ہے یہ امر قانون قدرت کے ذریعہ سے بھی ہر جگہ ہمیں نظر آ رہا ہے جس کے ذریعہ سے ربوبیت عالمین ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدبر بالا رادہ ہستی ہر زمانہ میں اپنے ارادے کا اظہار اس طرح فرماتی ہے کہ وہ اپنے پیاروں کو عزت اور ان کے مخالفوں کو ذلت دیتی ہے۔ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو فرمایا:

انی معین من اراد اعانتك و انی مھین من اراد اھانتك

(تذکرہ صفحہ ۱۹۴ ایڈیشن پنجم)

میں اس کا مددگار ہو جاؤں گا جو تیری مدد کا ارادہ کرے گا اور میں اس کو ذلیل کر دوں گا جو تجھے ذلیل کرنے کا ارادہ بھی کرے گا۔

ایسے اعلانات سماوی کے ساتھ اس کے فرشتے بھی ایسے ارادہ الٰہی کی تکمیل کے لئے اترتے ہیں اور کوشش میں لگ جاتے ہیں اور پھر دنیا اس کی صفات کے جلوے دیکھتی ہے۔

۱۴۔اَلاَ کْرَمُ

معزز۔ ہر قسم کی بزرگیوں اور بڑائیوں کا سرچشمہ اور معزز ہے اور مکرم بنانے والا۔فرمایا:

اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ (العلق:۴)

قرآن کو پڑھ کر سنا تا رہ کیونکہ تیرا رب بڑا معزز ہے، بڑا کریم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات:۱۴)

وہ متقیوں پر اس کی صفت کے جلوے ظاہر فرماتا ہے اور وہ بھی معزز ہو جاتے ہیں۔

۱۵۔اَلغَفَّار

بہت بخشنے والا، ڈھانکنے والا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ (ص:٦٧)

آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اس پر وہ غالب ہے اور اس کے باوجود بخشنے والا ہے۔پھر فرمایا:

وَ اِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى

(طٰہٰ:۸۳)

اور جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے پھر مناسب حال عمل بھی کرے اور ہدایت پا جائے تو میں اس کے بڑے سے بڑے گناہ معاف کر دیا کرتا ہوں۔یعنی اس کی استغفار قبول کر لیتا ہوں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

''یہ لفظ غَفَرَ سے لیا گیا ہے جو ڈھانکنے کو کہتے ہیں۔اصل اور حقیقی معنے یہی ہیں کہ خدا اپنی خدائی کی طاقت کے ساتھ مستغفر کو جو استغفار کرتا ہے فطرتی

کمزوری سے بچاوے۔ اپنی طاقت سے طاقت بخشے اور اپنے علم سے علم عطا کرے اور اپنی روشنی سے روشنی دے کیونکہ خدا انسان کو پیدا کر کے اس سے الگ نہیں ہوا۔ بلکہ وہ جیسا کہ انسان کا خالق ہے اور اس کے تمام قویٰ اندرونی اور بیرونی کا پیدا کرنے والا ہے ویسا ہی وہ انسان کا قیوم بھی ہے یعنی جو کچھ بنایا ہے۔ اس کو خاص اپنے سہارے سے محفوظ رکھنے والا۔''

(ریویو آف ریلیجنز اردو جلد اول صفحہ ۱۹۲۔۱۹۳)

۱۶۔اَلْمُحْیِ

مخلوق کو زندگی عطا کرنے والا۔جیسا کہ فرمایا:

اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (الروم:۵۱)

یہی خدا ہے جو قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔اور اسی طرح روحانی مردوں کو بھی اپنا رسول بھیج کر زندہ کرتا ہے۔

ہمارے زمانہ میں خدا تعالیٰ کی اس صفت کے مظہر بیان فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ الہام ہوا جس کے معنی یہ تھے کہ ملاء اعلیٰ کے لوگ خصومت میں ہیں۔یعنی ارادہ الٰہی احیاء دین کے لئے جوش میں ہے لیکن ھنوز ملاء اعلیٰ پر شخص محیی کی تعین ظاہر نہیں ہوئی اس لئے وہ اختلاف میں ہے۔اسی اثناء میں خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک محیی کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ایک شخص اس عاجز کے سامنے آیا اور اشارہ سے اس نے کہا هٰذَا رَجُلٌ يُحِبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ سے محبت رکھتا ہے اور اس قول سے یہ مطلب تھا کہ شرط اعظم اس عہدہ کی محبت رسول ہے سو وہ اس شخص میں محقق ہے۔

پس حضرت ابراہیم کی اولاد میں چار بار احیاء موتی کا نظارہ ظاہر ہوا۔ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اور آج آپ کے روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ یہ سلسلہ احیاء موتی کا خلافت علیٰ

منہاج نبوت کے ذریعہ سے جاری ہے۔اوراب قیامت تک چلتا چلا جائے گا۔انشاءاللہ

۱۷۔الحَیُّ

خودزندہ اوردوسروں کی زندگی کا باعث اورموجب۔

خدا تعالیٰ جوحی لا یموت ہے۔جواس کے ساتھ جوڑتا ہے صفت حی کی جلوہ گاہ بن جاتا ہے۔حضرت مسیح موعودعلیہ السلام فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ کشفی رنگ میں مَیں نے دیکھا کہ مَیں نے نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کیا ہے اور پھر مَیں نے کہا کہ آؤ اب انسان کو پیدا کریں۔اس پر نادان مولویوں نے شور مچایا کہ دیکھو اب اس شخص نے خدائی کا دعویٰ ہے کیا حالانکہ اُس کشف سے یہ مطلب تھا کہ خدا میرے ہاتھ پر ایک ایسی تبدیلی پیدا کرے گا کہ گویا آسمان اور زمین نئے ہو جائیں گے۔اور حقیقی انسان پیدا ہوں گے۔''

(چشمہ مسیحی روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۷۶)

۱۸۔اَلْقَیُّومُ

خودقائم اوردوسروں کے قیام کا حقیقی ذریعہ۔فرمایا:

الٓمّٓ۔اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ (آل عمران:۲۔۳)

میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔اللہ ایسی ذات ہے کہ اس کے سوا کوئی پرستش کا مستحق نہیں۔کامل حیات والا اوراپنی ذات میں قائم اورسب کوقائم رکھنے والا ہے۔پھرفرمایا:

وَتَوَکَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ۔ (الفرقان:۵۹)

اوراس پرتوکل کر جوخودزندہ ہے اورسب کوزندہ رکھتا ہے۔کبھی نہیں مرتا۔

ھُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ (المومن:۶۶)

وہ زندہ اور دوسروں کو زندگی دینے والا ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

غرض زندگی کے سب سرچشمے اس کے ہاتھ میں ہیں۔ کیونکہ وہ خالق ورزاق ہونے کے ساتھ زندہ، زندگی بخش، قائم بالذات اور قیوم کل کائنات ہے۔

حضرت بانی جماعت احمدیہ علیہ السلام فرماتے ہیں:

''سو وہ خالق بھی ہے اور قیوم بھی اور جب انسان پیدا ہو گیا تو خالقیت کا کام تو پورا ہو گیا۔ مگر قیومیت کا کام ہمیشہ کے لئے ہے۔اس لئے دائمی استغفار کی ضرورت پیش آئی۔غرض خدا کی ہر صفت کے لئے ایک فیض ہے اور استغفار صفت قیومیت کا فیض حاصل کرنے کے لئے ہے۔''

اس طرف اشارہ سورہ فاتحہ کی اس آیت میں ہے۔

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ۔ (الفاتحة:۵)

''یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی اس بات کی مدد چاہتے ہیں کہ تیری قیومیت اور ربوبیت ہمیں مدد دے اور ہمیں ٹھوکر سے بچاوے تا ایسا نہ ہو کہ کمزوری ظہور میں آوے۔''

(ریویو آف ریلیجنز اردو جلد اول صفحہ ۱۹۴۔۱۹۵)

۱۹۔اَلْفَالِقُ

ظلمت کے بعد روشنی پھیلانے والا، بیجوں اور گٹھلیوں کو نشوونما دینے والا۔فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَ النَّوٰی۔ (الانعام:۹۶)

اللہ یقیناً دانے اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والا ہے۔

فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ۔ (الانعام:۹۷)

وہ صبح کو ظاہر کرنے والا ہے۔

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ۔ (الفلق:۲)

تو لوگوں سے کہتا چلا جا کہ میں مخلوق کے رب سے اس کی پناہ طلب کرتا ہوں اس رب کی جو ظلمات کے بعد روشنی پھیلاتا ہے۔ بچوں کو نشو و نما دیتا ہے۔ بظاہر ناکارہ کو کارآمد بناتا ہے۔ اور اس کو امید سے بدل دیتا ہے۔ بیج یا گٹھلیاں بظاہر ناکارہ چیز سمجھ کر پھینک دی جاتی ہیں مگر ان میں ایک کائنات روپوش ہوتی ہے۔ جسے اپنے ربوبیت کے فیض سے سیراب کر کے باغات کی شکل میں ظاہر کر دیتا ہے۔ اسی طرح رات جو ظلمات کا گہوارہ ہے جس سے خوف محسوس کیا جاتا ہے اسے پھاڑ کر طلوع فجر کے سامان پیدا کرتا ہے اور ہمارے لئے فعال زندگی کا ایک اور باب وا کرتا ہے۔ پس خدا نے سکھایا کہ روشنی کے وقت، امید و بیم کے وقت فعال زمانہ میں ہر شر سے محفوظ رہنے کے لئے دعا کی جائے تا لیلۃ القدر نمودار ہو جس کی تمام برکتوں سے فائدہ اٹھایا جا سکے اور ایسی اٹھان ہو کہ آئندہ مخالف آندھیاں بھی جڑ کو نہ ہلا سکیں۔

۲۰۔ اَلْمُبْدِئُ

ابتداءً پیدا کرنے والا۔ تمام موجودات اور کائنات کا رب۔

۲۱۔ اَلْمُعِیْدُ

دوبارہ پیدا کرنے والا۔ فرمایا:

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَ يُعِيْدُ۔ (البروج:۱۴)

یعنی یہ نہیں کہ ایک دفعہ تو سب کچھ اتفاق سے پیدا ہو گیا پھر ہو نہیں سکتا۔ بلکہ وہ تو ایسی ذات ہے جو دوبارہ بلکہ سہ بارہ جتنی بار بھی چاہے اس جیسا بلکہ اس سے بہتر پیدا کرنے پر قادر ہے۔

۲۲۔ اَلْمُقِيْتُ

مخلوقات کو روزی پہنچانے والا۔ اسم ''اَلْمُقِيْت'' ماخوذ ہے قوت سے اور قوت کے معنی ہیں خوراک جو بدن انسانی کے لئے قیام کا باعث ہو۔ کبھی مقیت توانا نگاہ رکھنے والا اور گواہ کے

معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔جیسا کہ فرمایا:

وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا۔ (النسآء:۸۶)

اور اللہ ہر امر پر کامل قدرت رکھنے والا ہے۔

۲۳۔ اَلْجَبَّارُ

جبر سے مشتق ہے۔جبر کے معنے ہیں ٹوٹے ہوئے کو جوڑنا۔اصلاح احوال کرنا۔غالب کرنا۔پہلی صورت میں یہ اسم جمالی اور دوسری صورت میں جلالی ہے گویا اس میں اس کی مالکیت کے تقاضے جھلک رہے ہیں اور ربوبیت کے بھی۔اس نے ایک ایسا نظام قائم کر دیا ہے جس میں ٹوٹ پھوٹ کی خود بخود اصلاح اور درستی ہوتی جاتی ہے۔انسانی جسم کو ہی لے لیں۔مردہ سیل کی جگہ زندہ سیل لئے جاتے ہیں۔یہاں تک کہ سات سال کے بعد جسم وہ نہیں رہتا جو ہوتا ہے۔تمام سیل تبدیل ہو چکے ہوتے ہیں۔اسی سے اس کی صفت حی اور ممیت کا بھی پتہ لگتا ہے کہ کس طرح موت کو حیات سے تبدیل کر دیتا ہے اور ایسا کرتا چلا جاتا ہے۔

۲۴۔ اَلْمُحْصِی

ہر چیز کو احاطہ علم میں لے آنے والا۔چونکہ اللہ تعالیٰ حقائق اشیاء کو جانتا ہے اور ذرات عالم پر اس کا علم محیط ہے۔اس لئے محصی کہلاتا ہے۔چنانچہ فرمایا:

وَ اَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا۔ (الجن:۲۹)

وہ جو ہر چیز کو گن کر رکھتا ہے۔کوئی چیز اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں۔ہر چیز اپنی تمام تفاصیل کے ساتھ اس کے حساب میں ہے اور ہر چیز کی ربوبیت وہ فرما رہا ہے۔

۲۵۔ اَلْمُغْنِیُ

لوگوں کو مالدار کرنے والا۔بے پرواہ کرنے والا۔فرمایا:

اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِھِمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ۔ (النور:۳۳)

وہ فقر کو غنیٰ کی حالت سے تبدیل کر دیتا ہے اور یہ اس کے فضل سے ہوتا ہے اور یہ بھی اس کی ربوبیت ہے کہ گرے ہوؤں کو اٹھاتا ہے۔ چھوٹوں کو بڑا کرتا ہے اور کسی وسیلے سے بظاہر نہیں بلکہ اپنے فضل سے خود ہی کوئی سبیل پیدا کرتا ہے۔ کتنے ہی مومنوں کا سب کچھ لوٹ لیا گیا مگر پھر اس نے ان کو غنی کر دیا۔

۲۶۔ ذُوْالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

بزرگی اور عزت والا۔ فرمایا:

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ۔ (الرحمٰن:۷۹)

تیرے رب کا نام بہت برکتوں والا ہے وہ تمام بزرگیوں اور عزتوں والا ہے اور تمام عزتوں کا سرچشمہ ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا (الفاطر:۱۱)

خدا تعالیٰ کی اس صفت کے فیض سے انسانوں کو سوسائٹی میں عزت عطا کرتا ہے اور رسول کے ماننے والوں کو تقویٰ کی بناء پر اپنی جناب میں عزت ومنزلت عطا کرتا ہے تا انہیں اور ترقی حاصل ہو اور ان کے استعدادیں نشوونما پائیں۔

۲۷۔ اَلرَّشِیْدُ

رُشد والا۔ اسلام کو پسند کرنے والا۔ صفات کمال والا۔ فرمایا:

قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔ (البقرۃ:۲۵۷)

یہ بھی اس کی ربوبیت کی شان ہے کہ انسان کو عبودیت کے لئے پیدا کیا تا وہ صراط مستقیم پر چل کر جو اسلام کا راستہ ہے، جو فرمانبرداری واطاعت خداوندی کا راستہ ہے۔ اپنی نشوونما کرے اور کمال تک پہنچے۔

۲۸۔ ذُوالطَّوْلِ

بڑے مقدور والا اور صاحب خیر کثیر۔ سورہ مومن کے شروع میں یہ اسم آیا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی ذات ہی ہے جس کے پھیلاؤ کا احاطہ ممکن نہیں۔ اس نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی صاحب خیر کثیر اس صفت کے مظہر کے طور پر بنا دیا جنہیں صاحب کوثر فرمایا گیا ہے۔ جس کے ذریعہ اس ذات بابرکات کا فیض اس دنیا میں بھی جاری ہے اور اگلی دنیا میں بھی جاری رہے گا۔ جیسا کہ فرمایا ہے:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ (الکوثر: ۲)

۲۹۔ ذُوالْمَعَارِجْ

ہر قسم کی بلندیوں کا مالک۔ یہ اسم سورہ معارج میں آیا ہے۔ یوں تو بلندی و پستی اس کی تخلیق ہے مگر بلندیوں کو تو اس نے مومنوں کے مقدر میں کر دیا ہے۔ چنانچہ اس نے مظہر کامل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روحانی رفعتوں کی معراج پر پہنچا دیا۔ آپؐ کے فیض سے ہی مومن بھی تمام رفعتوں کے لائق ٹھہرتے ہیں۔ جو بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑ کر آگے بڑھنا چاہے وہ عرب کے بادیہ نشیں تھے یا قادیان کے گمنام ہر طرح کی رفعتوں کے وارث بن گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

میں تھا غریب و بےکس و گمنام و بے ہنر
کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیان کدھر
اب دیکھتے ہو کیسا رجوع جہاں ہوا
اک مرجع خواص یہی قادیان ہوا
اک زمانہ تھا کہ میرا نام بھی مستور تھا
قادیان بھی تھی نہاں ایسی کہ گویا زیرِ غار

کوئی بھی واقف نہ تھا مجھ سے نہ میرا معتقد
لیکن اب دیکھو کہ چرچا کس قدر ہے ہر کنار
غیر کیا جانے کہ دلبر سے ہمیں کیا جوڑ ہے
وہ ہمارا ہو گیا اس کے ہوئے ہم جاں نثار
میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار
صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار
میں وہ پانی ہوں کہ آیا آسماں سے وقت پر
میں ہوں وہ نور خدا جس سے ہوا دن آشکار

(درثمین)

۳۰۔ اَلْغَالِبُ

فتح و نصرت عطا کرنے والا۔ حکمران اور حکومت دینے والا۔ سب سے بالا دست۔ فرمایا:

وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰۤی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ

(یوسف:۲۲)

اللہ تعالیٰ اپنے امر کو نافذ کرنے میں سب پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں پھر فرمایا:

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ۔ **(آل عمران:۱۶۱)**

اور اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ پس وہ غالب ہے اور غلبہ و نصرت اسی سے وابستہ ہے جیسا کہ فرمایا:

کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ۔ **(المجادلۃ:۲۲)**

اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (الالمجادلة:۲۳)

جو چاہتا ہے کہ وہ غلبہ ونصرت پائے اور اس صفت سے فیض یاب ہوا سے خدا اور اس کے رسول سے وابستگی اختیار کرنی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اس صفت کا اظہار اپنے انبیاء کے ذریعہ سے فرمایا:

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ پر واضح غلبہ عطا فرمایا اور آج حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

''لوگ عنقریب دیکھ لیں گے کہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کا چہرہ ظاہر ہوگا گویا وہ آسمان سے اُترے گا۔ اُس نے بہت مدت تک اپنے تئیں چھپائے رکھا اور انکار کیا گیا اور چپ رہا لیکن وہ اب نہیں چھپائے گا اور دنیا اُس کی قدرت کے وہ نمونے دیکھے گی کہ کبھی اُن کے باپ دادوں نے نہیں دیکھے تھے۔''

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۷)

''میں حضرت قدس کا باغ ہوں جو مجھے کاٹنے کا ارادہ کرے گا وہ خود کاٹا جائے گا۔ مخالف روسیاہ ہوگا اور منکر شرمسار۔''

(نشان آسمانی روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۳۹۷)

نیز فرماتے ہیں:

''دیکھو وہ زمانہ چلا آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا اس سلسلہ کی دنیا میں بڑی مقبولیت پھیلائے گا اور یہ سلسلہ مشرق ومغرب، شمال وجنوب میں پھیلے گا اور دنیا میں اسلام سے مراد یہی سلسلہ ہوگا۔ یہ باتیں انسان کی باتیں نہیں۔ یہ اس خدا کی وحی ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔''

(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۹۰)

پھر فرماتے ہیں:

’’تم خوش ہو اور خوشی سے اچھلو کہ خدا تمہارے ساتھ ہے۔ اور کوئی تم پر غالب نہیں ہو سکے گا۔‘‘

(تذکرۃ الشہادتین روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۲۶)

۳۱۔ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن

اندازہ اور خلق کرنے والوں میں بہترین یعنی اس سے بہترین طور پر خالقیت کی صفت جلوہ گر ہوئی ہے۔ انسان کی پیدائش کے مختلف مراحل کا ذکر کر کے وہ بہترین پلاننگ کے ماتحت سرانجام پائے ہیں۔ فرمایا:

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ (المومنون:۱۵)

کتنا بہترین خالق ہے اور برکتوں والا ہے اللہ کہ جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کرنے کے لئے ایک سسٹم چلا دیا ہے۔ جو اپنی ذات میں مکمل ہے۔ اس صفت کے مظہر اپنی صحبت صالحین کے ذریعہ سے آسمان روحانیت پر پرواز کرنے والے طیور تخلیق کرتے رہے ہیں اور آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء یہ کام سرانجام دے رہے ہیں۔

۳۲۔ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْن

بہتر اتارنے والا۔ فرمایا:

وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ

(المومنون:۳۰)

اور کہہ دے میرے رب مجھے مبارک جگہ میں اتار اور تو بہتر اتارنے والا ہے۔

احسن الخالقین نے انسان کو بہترین طور پر تخلیق کیا تا وہ اس کا عبد بنے اس کے لئے جن امور کی ضرورت تھی وہ بھی نازل کئے مثلاً رسول، کتب اور آخر میں آخری شریعت مکمل اور اکمل

طور پر نازل فرمائی تا کہ حقیقی غلبہ۔تائید و نصرت حاصل کر سکیں اور اس کا ذریعہ یہ ہے کہ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا (آل عمران : ۱۰۴) تم سب اکٹھے ہو کر اس کی رسی کو پکڑے رکھو۔اس کے نتیجہ میں یہ فرض کر دیا گیا ہے کہ غلبہ اور تائید و نصرت الٰہی تمہیں حاصل ہو گی۔

پس چاہیے کہ ہم کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھام لیں اور اس میں جو خدا تعالیٰ کے حسن اور احسان سے پُر ذات بیان کی گئی ہے اس سے وابستہ ہو جائیں تا کہ اس کے حسن و احسان کے جلوے ہمارے بھی نصیب میں ہوں۔آمین

حضرت موسیٰ علیہ السلام بظاہر کسمپرسی کی حالت میں مصر سے ہجرت فرما کر مدین میں تشریف لائے تو وہاں آپ نے یہ دعا کی اور کہا رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ اے میرے رب اپنی خیر اور بھلائی میں سے جو کچھ تو مجھ پر نازل فرمائے تو میں تو اس کا سخت محتاج ہوں۔یہ دعا قبولیت کا شرف حاصل کر گئی اور پھر آپ پر دین و دنیا کی حسنات نازل ہوتی رہیں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ دعا محفوظ فرما دی تا کہ آئندہ بھی مومنین اس کے ذریعہ خیر المنزلین کی انزال رحمت کے نظارے دیکھتے رہیں۔

اُم الصفات رحمان کے تحت صفات الٰہیہ

”دوسری خوبی خدا تعالیٰ کی جو دوسرے درجہ کا احسان ہے ۔۔۔۔ رحمانیت ہے جس کو سورۃ فاتحہ میں الرّحمٰن کے فقرہ میں بیان کیا گیا ہے اور قرآن شریف کی اصطلاح کی رُو سے خدا تعالیٰ کا نام رحمٰن اس وجہ سے ہے کہ اُس نے ہر ایک جاندار کو جن میں انسان بھی داخل ہے اُس کے مناسب حال صورت اور سیرت بخشی یعنی جس طرز کی زندگی اس کے لئے ارادہ کی گئی اس زندگی کے مناسب حال جن قوتوں اور طاقتوں کی ضرورت تھی یا جس قسم کی بناوٹ جسم اور اعضاء کی حاجت تھی وہ سب اس کو عطا کئے اور پھر اس کی بقا کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ اس کے لئے مہیّا کیں۔پرندوں کے لئے پرندوں کے

مناسب حال اور پرندوں کے لئے پرندوں کے مناسب حال اور انسان کے لئے انسان کے مناسب حال طاقتیں عنایت کیں اور صرف یہی نہیں بلکہ ان چیزوں کے وجود سے ہزارہا برس پہلے بوجہ اپنی صفت رحمانیت کے اجرام سماوی و ارضی کو پیدا کیا تا وہ ان چیزوں کے وجود کی محافظ ہوں۔ پس اِس تحقیق سے ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ کی رحمانیت میں کسی کے عمل کا دخل نہیں بلکہ وہ رحمتِ محض ہے جس کی بنیاد ان چیزوں کے وجود سے پہلے ڈالی گئی۔ ہاں انسان کو خدا تعالیٰ کی رحمانیت سے سب سے زیادہ حصہ ہے کیونکہ ہر ایک چیز اس کی کامیابی کے لئے قربان ہو رہی ہے اس لئے انسان کو یاد دلایا گیا کہ تمہارا خدا رحمن ہے۔''

(ایام الصلح روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۴۸، ۲۴۹)

۳۳۔ اَلرَّحْمٰن

بلا مبادلہ فضل کرنے والا فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ۔ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ

(الرحمٰن: ۲ تا ۵)

سورہ رحمن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمانیت کے جلووں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً قرآن کریم کا سکھایا جانا اور الانسان کی پیدائش اور پھر انسان کو قوت بیانیہ کا عطا کیا جانا۔ یہ سب رحمانیت کے تحت ہوا۔ یہاں پر الانسان سے مراد رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود باجود ہے کیونکہ آپ ہی اپنے کمالات کی وجہ سے الانسان کہلانے کے مستحق ہیں کیونکہ آپ ہی وجہ تخلیق کائنات ہیں۔ غرض تین احسانوں کا ان آیات میں ذکر ہے۔ ۱۔ قرآن کریم۔ ۲۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ۳۔ آپ ؐ کا طرز بیان اور زور بیان۔ یہ وہ عظیم جلوے ہیں جو خدا تعالیٰ کی رحمانیت کے تحت ظاہر ہوئے جن کے فیض سے انسان روحانی بلند مراتب پانے کے قابل ہے۔

بمطابق سورۃ جمعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت امیین میں ہوئی اور آپ کی بعثت ثانیہ

آخرین میں بتائی گئی۔ جس کے متعلق آپ نے فرمایا:

لو کان الایمان معلقا بالثریا لناله رجل او رجال من فارس۔

(بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورہ جمعہ)

حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر آپ نے فرمایا جب ایمان ثریا پر اٹھ جائے گا رجل من فارس اسے اتار لائے گا۔ یہ رجل من فارس حضرت مسیح موعودؑ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمانیت کی ایک تجلی ہے جو ظاہر ہوئی۔

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

مبارک وہ جو اب ایمان لایا

صحابہ سے ملا جو مجھ کو پایا

وہی مے ان کو ساقی نے پلا دی

فسبحان الذی اخزی العادی

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

''مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں۔ اور میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔''

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۷۷)

۳۴۔ اَلْمَنَّان

بہت ہی احسان کرنے والا یہ انسانیت پر ایک عظیم احسان ہے کہ اس نے اپنی معرفت حاصل کرنے کے لئے سلسلہ انبیاء جاری کیا۔ فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ ۚ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ

قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ (آل عمران:۱۶۵)

اللہ نے مومنوں میں سے ایک ایسا رسول بھیج کر جو انہیں اس کے نشان پڑھ کر سنا تا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھا تا ہے۔ یقیناً ان پر احسان کیا ہے اور وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں پڑے ہوتے ہیں۔

یہاں پر مومنوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ رسولوں پر ایمان لا کر خدا تعالیٰ کے اس احسان کو مانتے ہیں ورنہ احسان الٰہی تو تمام انسانیت کے لئے ہوتا ہے کہ وہ فائدہ اٹھائیں اور ضلالت کو روشنی سے تبدیل کر دیں اور تزکیہ نفس حاصل کریں۔

۳۵۔ اَلنُّوْر

روشنی کا منبع۔ روشنی کرنے والا۔ ہمہ نور۔ فرمایا:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ

(النور:۳۶)

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ وہ اپنے نور تمثیلی رنگ میں اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ گویا طاقچہ ہے جس میں ایک قندیل رکھی ہوئی ہے اور وہ گلوب ایسا ہے جیسے ایک چمکنے والا ستارہ ہوتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مصباح قرار دیا ہے جس کے ذریعہ ظلمتیں چھٹ جاتی ہیں اور الٰہی نور ظاہر ہوتا ہے اور اسی نور کو خلافت کے ذریعہ سے ایک چمنی پہنا دی گئی ہے جس کی وجہ سے وہ نور دیر تک اور دور کے زمانوں اور مکانوں میں چمکتا ہے اور نسل انسانی کی ہدایت کا موجب ہوتا ہے اور مشرقی و مغربی سب اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور اس عالم میں یوں نور خداوندی کے ظاہری مظاہر بھی ہیں۔ مختلف زمانوں میں غلطی خوردہ انسانوں نے انہیں ہی دیوتا بنا کر پوجنا شروع کر دیا مگر معنوی مظہر جنہیں سراجًا منیرًا کہا گیا ہے جو آسمان روحانیت میں ایک سورج ہیں اور ان کا ایک چاند بھی ہے اور صحابہ کرامؓ جنہیں ستارے کہا گیا

ہے جیسا کہ فرمایا:

اَصْحَابِی کَالنَّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ

(مشکوة کتاب الفتن مناقب الصحابه)

یہ مظاہر تو وہ ہیں جن کے ذریعہ سے نورِ خداوندی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمکا۔ گویا نُوْرٌ عَلٰی نُوْر کا نظارہ دنیا نے دیکھا اور بتوں کو توڑ توڑ کر توحید حقیقی کو دلوں میں قائم و دائم کر دیا گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”توحید ایک نور ہے جو آفاقی و انفسی معبودوں کی نفی کے بعد دل میں پیدا ہوتا ہے اور وجود کے ذرّہ ذرّہ میں سرایت کر جاتا ہے پس وہ بُجز خدا اور اُس کے رسول کے ذریعہ کے محض اپنی طاقت سے کیونکر حاصل ہوسکتا ہے۔ انسان کا فقط یہ کام ہے کہ اپنی خودی پر موت وارد کرے اس شیطانی نخوت کو چھوڑ دے کہ مَیں علوم میں پرورش یافتہ ہوں اور ایک جاہل کی طرح اپنے تئیں تصوّر کرے اور دعا میں لگا رہے تب توحید کا نور خدا کی طرف سے اُس پر نازل ہوگا اور ایک نئی زندگی اُس کو بخشے گا۔“

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۴۸)

۳۶۔ اَلْوَهَّابُ

عطا کرنے والا۔ وھب اور ھبہ کہتے ہیں۔ بخشنے اور عطا کرنے کو موھبت، بخشش۔ وَهَّاب مبالغہ کا صیغہ ہے۔ روحانی انعامات اور نبوت وغیرہ سب موہبت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دعا سکھائی:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (آل عمران:۹)

اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو آلودہ نہ بنا بعد اس کے کہ تو نے ہم کو ہدایت عطا فرمائی۔ ہمیں اپنے حضور سے رحمت عطا فرما بے شک تو بڑا دائم العطا ہے۔

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا ہے:

هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

(ص:۳۶)

مجھے ایسی سلطنت عطا فرما کہ میرے بعد کسی اور کو سزاوار نہ ہو بے شک تو بڑا فیاض ہے۔

۳۷۔ اَلْمُعْطِیْ

عطا کرنے والا، جسے چاہے عطا کرنے والا۔ جیسا کہ اس کی عطا کے متعلق آیا ہے۔

عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ۔ (ھود:۱۰۹)

وہ ایسی عطا ہے جو کبھی منقطع نہیں کی جاتی۔ اس دنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت میں بھی دیتا ہے وہ اتنا دیالو ہے کہ اس کی بخشش اور عطا پر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور کبھی وہ پیار سے اپنے پیاروں کو یہ بھی فرماتا ہے:

''میں تینوں ایناں دیاں گا کہ توں رج جائیں گا۔''

۳۸۔ اَلْوَاسِعُ

وسیع المعلومات یا وسیع الغنا۔ یہ اسم سعۃ سے ماخوذ ہے فراخی اور فراخ کرنا اس کے معنی ہیں۔ قرآن کریم میں اس کا استعمال حکمت اور مغفرت اور علم کے ساتھ ہوا ہے۔ فرمایا:

وَ كَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِیْمًا۔ (الالنسآء:۱۳۱)

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ۔ (النجم:۳۳)

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ (البقرۃ:۲۶۹)

فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ۔ (الانعام:۱۴۸)

یہ وسعت اس کی رحمانیت کے تحت ہے۔اس کا علم اور اس کی حکمت تمام ذوی الروح کے ساتھ اور مغفرت مومنین کے ساتھ خاص ہے۔

۳۹۔ اَلْحَکِیْمُ

حقائق الاشیاء کا عالم۔ یہ اسم مشتق ہے حکمت سے اور حکمت کہتے ہیں جس فعل پر عمدہ آثار مرتب ہوں۔ وَضْعُ الشَّیْئِ فِیْ مَحَلِّہٖ یعنی کسی چیز کو اس کی اپنی اصل جگہ پر رکھنا۔اس سے مراد علم اور حسن کا کمال ہوتا ہے اور حکیم وہ ہے جو حقائق الاشیاء کا عالم ہو اور رضاعات کے دقائق کو خوب جانتا ہو۔فرمایا:

سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ

(البقرۃ:۳۳)

تیری ذات ہر قسم کے عیب سے پاک ہے، ہم کو کوئی علم نہیں بجز اس علم کے جو تو نے ہم کو دیا ہے بے شک تو علیم و حکیم ہے۔ پھر فرمایا:

وَ کَانَ اللّٰہُ وَاسِعًا حَکِیْمًا۔ (النسآء:۱۳۱)

وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ۔ (السبا:۲)

جب یہودی بگڑے اور انہوں نے شریعت کے احکامات کی حکمتوں کو فراموش کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیج دیا۔آج جب مسلمان بگڑے تو اللہ تعالیٰ نے اسی رنگ میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو حکم و عدل بنا کر بھیج دیا کہ قرآنی تعلیم کی حکمتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کریں اور تمام دنیا پر اس کی اچھائیاں اجاگر کر کے اس کا گرویدہ بنالیں۔

۴۰۔ اَلْحَلِیْمُ

بردبار، حلیم اسے کہتے ہیں جو مغلوب الغضب نہ ہو اور انتقام لینے میں جلدی نہ کرے بلکہ باوجود اقتدار کے عفو اور درگذر سے کام لے۔اللہ تعالیٰ اس لئے حلیم کہلاتا ہے کہ تعذیب العباد

میں جلدی نہیں کرتا۔قرآن کریم میں یہ صفت غفور، غنی، علیم، شکور کے ساتھ مل کرا کیلے بھی آئی ہے۔جیسے فرمایا:

وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ۔ (البقرۃ:۲۶۴)

وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَلِیْمٌ۔ (الانسآء:۱۳)

وَاللّٰہُ شَکُوْرٌ حَلِیْمٌ۔ (التغابن:۱۸)

وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا۔ (الاحزاب:۵۲)

۴۱۔ اَلْخَبِیْرُ

آگاہ، دانا، عالم۔فرمایا:

وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔ (الانعام:۱۰۴)

احاطہ کرنے والا۔واقف کہ وہ یہ اطلاع رکھتا ہے کہ کون سی ابصار تک پہنچنا صاحب الابصار کی روحانی ترقی کا باعث ہوگا۔کون استعداد روحانی رکھتا ہے تا اس پر مزید احسان کیا جائے۔اس کے لئے فضل کا دروازہ کھولا جائے۔اللہ تعالیٰ کی نظر دلوں کی پا تال تک ہے۔اسی وجہ سے حق دار کو اس کا حق ضرور ملتا ہے۔کبھی کوئی بےفیض نہیں رہتا۔اس کی نظر سب زمانوں پر بھی ہے۔وہ سب کچھ جانتا ہے کہ آئندہ کیا ہوگا۔

۴۲۔ اَلْمَجِیْدُ

بزرگ۔شریف۔عظمت و بڑائی والا۔مجید وہ ہے جس کی ذات شریف افعال جمیل اور عطا جزیل ہو۔یہ اسم ان معنوں کے لحاظ سے جمیل وہاب اور کریم کا جامع ہے۔فرمایا:

اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَ بَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ ط اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ (ھود:۷۴)

فرشتوں نے کہا کہ کیا تو اللہ تعالیٰ کے امر سے تعجب کرتی ہے۔اے ابراہیم کے گھر

والو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں تم پر ہوں۔ بے شک وہ خدا حمد کیا گیا اور بزرگی والا ہے۔

۴۳۔ اَلْمَاجِدُ

بزرگی والا۔ اس عالمین میں احسانات خداوندی کے لامتناہی سلسلے جاری ہیں۔ ایک طرف ذوالعطا کے جلوے ظاہر ہوتے ہیں اور دوسری طرف اس کی حمد اور مجد کے ترانے گائے جاتے ہیں۔

فرمایا: ذوالعرش المجید۔ وہ عرش کا مالک اور بزرگ شان والا ہے۔

۴۴۔ اَلْحَمِیْدُ

ہر قسم کی حمد و ثناء کا سزاوار۔ فرمایا:

وَ کَانَ اللّٰهُ غَنِیًّا حَمِیْدًا۔ (النسآء: ۱۳۲)

پھر فرمایا:

وَ یَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَ هُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ۔ (الشوریٰ: ۴۳)

تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ۔ (حم السجدة: ۴۳)

آسمان سے روحانی (کلام الٰہی) اور مادی بارش نازل کرنے والا ہے۔ اس طرح زندگی دینے والا۔ جس کی وجہ سے وہ حمد کا سزاوار ہے۔ ہر طرف اس کی رحمت بکھری پڑی ہے اور رحمانیت کے تحت جلوہ گر ہے اور حمد و ثناء کا باعث بن رہی ہے۔

۴۵۔ اَلْغَنِیُّ

ہر قسم کی ضرورتوں کا متکفل اور خود بے پرواہ۔ فرمایا:

وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ۔ (البقرة: ۲۶۴)

یہ صفت حلیم کریم اور حمید کے ساتھ آئی ہے۔ بتایا وہ غنی تو ہے۔ مگر حلیم اور کریم بھی ہے اور ان تمام صفات کے جلوے اسے صفت حمید کا موصوف بھی بنا دیتے ہیں۔

۴۶۔ اَلْحَفِیْظُ

نگہبان۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ۔ (ھود:۵۸)

یہ اسم سورۃ شوریٰ اور سبا میں بھی آیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے شیاطین کے پیچھے شہاب ثاقب لگا دیئے ہیں تا کہ کچھ اچک کر نہ لے جائیں۔ زمین کے گرد حفاظت کرنے والی فضا بنائی جو ہر داخل ہونے والی چیز کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔ تمام کائنات کو نظر نہ آنے والے ستونوں یعنی کشش ثقل میں باندھ دیا۔ یہ سب اس کی حفاظت کے جلوے ہی تو ہیں جو اس کا حفیظ ہونا ثابت کر رہے ہیں۔

۴۷۔ اَلْحَافِظُ

نگہبان اور حفاظت کرنے والا، دینی اور دنیاوی ہلاکت کے اسباب سے بچانے والا۔

آیت الکرسی میں فرمایا:

وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا۔ (البقرۃ:۲۵۶)

اور ان دونوں (آسمان اور زمین) کی حفاظت اسے تھکاتی نہیں۔ اسی طرح فرمایا:

وَحَفِظْنَاھَا مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ رَجِیْمٍ۔ (الحجر:۱۸)

اور اس کی ہم نے ہر ایک دھتکارے ہوئے شیطان سے حفاظت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور فرمایا:

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدۃ:۱۱۸)

کہ لوگوں سے تجھے محفوظ رکھوں گا۔ اور آپ کے روحانی فرزند علیہ السلام کو فرمایا:

اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ۔

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۴)

میں ہر اس شخص کی حفاظت کروں گا جو تیرے روحانی گھر میں بود و باش رکھے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے اور تمام دینا دیکھ رہی ہے۔ قرآن کریم کی عظیم کتاب کی حفاظت کا ذمہ لیا تو فرمایا:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔ (الحجر:۱۰)

اس کی معنوی حفاظت بھی فرمائی۔ ارسال مجددین اور ارسال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ سے لفظی حفاظت بھی فرمائی۔

۴۸۔ اَلرَّقِیۡبُ

نگہبان، نگران۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا۔ (النسآء:۲)

فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ کُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِیۡبَ عَلَیۡہِمۡ۔ (المائدۃ: ۱۱۸)

خدا تعالیٰ تمہاری نگرانی اور نگہبانی کر رہا ہے اور جس کی وجہ سے وہ اصلاح خلق کے لئے اقدام کر رہا ہے۔

۴۹۔ اَلۡمَتِیۡنُ

استوار۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّۃِ الۡمَتِیۡنُ۔ (الذاریات:۵۹)

وہ متین ہے ذو القوۃ ہونے کی وجہ سے اور اس کے قوی اور زبردست ہونے کی وجہ سے اس کی تمام صفات عالمین میں خوب اچھی طرح سے استوار ہیں۔

۵۰۔ اَلۡبَرّ

نیکی اور احسان کرنے والا، اپنے بندوں کے لئے آسانی پسند، بہت معاف کرنے والا۔ مہربانی کرنے والا۔ فرمایا

اِنَّہٗ ھُوَ الْبَرُّ الرَّحِیْمُ ۔ (الطور:۲۹)

بے شک وہ احسان کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔یعنی

ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۔ (البقرۃ:۱۶۴)

۵۱۔اَلْمُطَھِّر

پاک اور پاکیزگی عطا کرنے والا،تزکیہ کرنے والا،اپنے بندوں کوالزامات سے پاک کرنے والا۔فرمایا:

وَ مُطَھِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ (آل عمران:۵۶)

وہ اپنے بندوں کا انکارکرنے والوں کے غلط الزامات کی قلعی کھول کر پاک ٹھہراتا ہےاور ان کے تزکیہ کے اعلیٰ مقام کووہ دنیا کے سامنے ظاہر کردیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعلق فرمایا:

لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ۔ (الواقعۃ:۸۰)

یعنی قرآن کریم کے معارف اورمعانی تک غیرمطہرکی رسائی نہ ہوگی صرف مطہروجود ہی اس تک رسائی پاسکیں گے۔چنانچہ اس زمانہ میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے قرآن کریم کے ایسے ایسے معارف بیان کئے کہ 14 سوسال میں کسی نے بیان نہ کئے اوراس طرح سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طہارت اور پاکیزگی پربھی مہر لگادی۔

۵۲۔ اَلْجَاعِلُ

بنانے والا،مقررکرنے والا۔فرمایا:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً

(البقرۃ:۳۱)

جب ملائکہ کوتیرے رب نے بتایا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں حضرت ابراہیم

علیہ السلام کو فرمایا۔ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا اے ابراہیم میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں خلیفۃ اللہ کی شکل میں ہو یا خلیفۃ النبی کی شکل میں۔ خلافت ایک بہت بڑا احسان ہے۔ انسان کی پیدائش کی غرض اس کے ذریعہ سے پوری ہوتی ہے اور دنیا میں پھر عارف باللہ انسان پیدا ہونے لگتے ہیں۔

۵۳۔ اَلسَّلَامُ

تمام نقصانات سے محفوظ، سلامتی کا سرچشمہ اور امن بخشنے والا۔ اصل میں یہ مصدر ہے بمعنی سلامت لیکن اسماء الٰہی میں یہ سالم کے معنوں میں آتا ہے۔ یعنی وہ ذات پاک جو ہر قسم کے عیب اور نقصان سے محفوظ ہے اور سلامتی بخشنے والی ہے۔

۵۴۔ اَلْمُؤْمِنُ

اپنے عذاب سے اور ہر قسم کے دکھوں اور مصیبتوں سے امن بخشنے والا۔ اپنے کمالات توحید پر دلائل قائم کرنے والا۔ تمام صداقتوں کو ماننے والا۔ اپنے وعدوں میں سچا۔ لفظ مومن کا ماخذ امن ہے یا ایمان۔ مگر امن اصل ہے تو مومن کے یہ معنی ہوئے امن دینے والا اور دنیا میں ہر قسم کے امن کو قائم کرنے والا۔ دنیا کو عذابِ عقبیٰ سے محفوظ رکھنے والا۔ اگر ماخذ ایمان ہے تو مومن کے معنی ہوئے ایمانداروں کے ایمان کو باور کروانے والا۔ امن و امان کا قیام اور اس کا استحکام انسانوں پر بہت بڑا احسان ہے۔

۵۵۔ اَلْمُهَيْمِنُ

سب کے اعمال کا محافظ، واقف، نگہبان اور گواہ۔ دراصل اَلْمُؤْمِنُ اور اَلْمُهَيْمِنُ ایک ہی ہیں۔ اَلْمُؤْمِنُ باب افعال سے ہے اور اَلْمُهَيْمِنُ باب مفاعلہ سے جو دراصل اَلْمُؤْمِنُ تھا۔ یہ اسماء سورہ حشر کے آخر میں آئے ہیں۔

۵۶۔ اَلْبَصِیْرُ

بہت دیکھنے والا، نظر رکھنے والا، بینا۔ یہ اسم کم وبیش ۴۲ مرتبہ بطور صفت الٰہی استعمال ہوا ہے۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ۔ (المؤمن:۴۵)

اللہ اپنے بندوں پر نظر رکھنے والا ہے۔ اس کی آبزرویشن اور اس کا نظر میں رکھنا اور نظر انداز نہ کر دینا بھی اس کی رحمانیت کے تحت ایک احسان عظیم ہے۔

۵۷۔ اَلشَّافِی

شفاء دینے والا، جسمانی اور روحانی امراض سے نجات دینے والا۔ قرآن کریم میں فرمایا

وَإِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ۔ (الشعراء:۸۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اقرار ہے کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی ہے جو اپنے فضل سے شفاء دیتا ہے۔ مرض کے پیدا ہونے کا سبب انسان کی کوئی غفلت یا بد پرہیزی ہوتی ہے لیکن شفا دینا، دوائی میں تاثیر رکھنا یہ خدا تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔

۵۸۔ اَلْمَوْلیٰ

دوست، سرپرستی کرنے والا، کاموں کا کارساز، مالک، آقا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَنِعْمَ الْمَوْلَی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔ (الحج:۷۹)

ولی، والی اور مولیٰ ایک اسم کی مختلف شکلیں ہیں۔ مولیٰ کا لفظ جہاں بھی قرآن شریف میں آیا ہے وہاں علی العموم نصرتِ الٰہی کا ذکر ضرور آیا ہے۔ اور نصرت الٰہی اس کا احسان ہے۔ جو صفت رحمانیت کے تحت وہ فرماتا ہے۔

۵۹۔ اَلصَّبُوْرُ

بڑا صبر کرنے والا، تحمل اور برداشت کرنے والا۔ انسان جب صبر کرتا ہے تو ایک تلخی برداشت کرتا ہے لیکن خدا تعالیٰ جو سب نقائص اور نقصانوں سے پاک ذات ہے۔ اس کا صبر کرنا یہ ہے کہ مواخذہ میں جلدی نہ کرے جب کہ وہ ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے تا ایک شخص اپنی درستی کرلے اور اصلاح کرلے۔

۶۰۔ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ

سب سے افضل اور بہتر رزق دینے والا۔ فرمایا:

وَاِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ۔ (الحج:۵۹)

اور بے شک اللہ ہی ہے جو سب رزق دینے والوں میں سے بہتر اور افضل رزق دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہر مخلوق کو اس کا رزق پہنچا رہا ہے جو اس کا احسان عظیم ہے۔

۶۱۔ اَلنَّاصِرُ

مدد کرنے والا۔ اس اسم کے مشتقات قرآن مجید میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور ہر جگہ ہی اس کے احسانوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ جیسے کہ فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ۔ (آل عمران:۱۲۴)

بدر کی جنگ میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی اور تم بہت تھوڑے تھے۔ یعنی ظاہری اسباب ناپید تھے۔ صرف خدا کے فضل سے اور تائید و نصرت سے تمہیں کامیابی ہوئی۔ نیز فرمایا:

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ۔ (الصف:۱۴)

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ۔ (النصر:۲)

۶۲۔ اَلنَّصِیْرُ

مدد کرنے والا۔ فرمایا:

هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ۔ (الحج:۷۹)

بہترین مالک اور سب سے بہتر مدد کرنے والا۔

خدا تعالیٰ کی مدد کے بغیر کوئی سلسلہ روحانی پنپ نہیں سکتا۔ چنانچہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے بانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''چنانچہ اُس نے اس سلسلہ کے قائم کرنے کے وقت مجھے فرمایا کہ زمین میں طوفانِ ضلالت برپا ہے۔ تُو اس طوفان کے وقت میں یہ کشتی طیار کر جو شخص اس کشتی میں سوار ہوگا وہ غرق ہونے سے نجات پا جائے گا اور جو انکار میں رہے گا اس کے لئے موت درپیش ہے۔۔۔ اور اس خداوند خدا نے مجھے بشارت دی ہے کہ۔۔۔ تیرے سچے متبعین اور محبین قیامت کے دن تک زندہ رہیں گے اور ہمیشہ منکرین پر انہیں غلبہ رہے گا۔''

(فتح اسلام روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۳۵)

۶۳۔ خَیْرُ النَّاصِرِیْن

سب سے بہتر مدد کرنے والا جس کی مدد میں خیر و خوبی ہے۔ فرمایا:

بَلِ اللّٰهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ۔ (آل عمران:۱۵۱)

اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب مدد کرنے والوں سے بہتر ہے۔

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام فرماتے ہیں:

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبداء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہوگیا
کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا
ہے عجب جلوہ تیری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی راہ ہے تیرے دیدار کا
چشمہ خورشید میں موجیں تیری مشہود ہیں
ہر ستارے میں تماشہ ہے تیری چمکار کا
کیا عجب تو نے ہر اک ذرہ میں رکھے ہیں خواص
کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر ان اسرار کا
تیری قدرت کا کوئی بھی انتہا پاتا نہیں
کس سے کھل سکتا ہے پیچ اس عقدۂ دشوار کا

(سرمہ چشم آریہ روحانی خزائن جلد نمبر ۲ صفحہ ۵۲)

ایک عارف باللہ انسان سارے عالم میں اسرار خداوندی کے کھوج نکالتا ہے اور اسے محبوب ازلی اور معشوق حقیقی کے انوار ہر طرف بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کبھی چاند کی دلکشی اور رونق اسے اپنے پیارے کی یاد دلاتی ہے اور بے چین کر دیتی ہے کیونکہ اسے اس حسن کے پیچھے ایک اور حسین تر کا جلوہ نظر آتا ہے۔

پھر وہ ستاروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو ہر ستارے میں اس کی چمکار دکھائی دیتی ہے پھر سورج چڑھتا ہے تو اس کی تمازت اور حدت میں اپنے محبوب کے وجود کی گرمی محسوس ہوتی ہے اور اس کے رگ و ریشہ کو مستی سے سرشار کر دیتی ہے۔ اس سے تب کائنات کے ہر ذرہ میں اپنے محبوب کے پیدا کردہ دو خواص دکھائی دیتے ہیں جن کی کنہ تک پہنچنا ناممکن ہے۔ وہ اپنے لاثانی و لافانی دلبر یگانہ کی بے پایاں قدرتوں کے ان رازوں کو جب اپنی روحانی آنکھ سے دیکھتا اور روحانی احساسات سے محسوس کرتا ہے تو اس کی روح پکار اٹھتی ہے

کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر ان اسرار کا

یہ تو ایک سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نظر نہیں آتا۔ ان رموز رحمانی تک عقل انسانی کی دسترس کہاں۔

لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي۔ (الکھف:۱۱۰)

اگر سمندر سیاہی بن جائیں اور خداوند کریم کے انداز کریمانہ کو کلمات کا جامہ پہنائیں تو ایسے کئی سمندر خشک ہو جائیں۔ اور محبوب حقیقی کے سلوک و پیار کی داستانیں اور حسن و احسان کی مدحتیں باقی رہ جائیں۔ **سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم**

اُم الصفات رحیم کے تحت صفات الٰہیہ

"تیسری خوبی خدا تعالیٰ کی جو تیسرے درجہ کا احسان ہے رحیمیّت ہے جس کو سورۂ فاتحہ میں الرّحیم کے فقرہ میں بیان کیا گیا ہے اور قرآن شریف کی اصطلاح کے رُو سے خدا تعالیٰ رحیم اس حالت میں کہلاتا ہے جبکہ لوگوں کی دُعا اور تضرع اور اعمال صالحہ کو قبول فرما کر آفات اور بلاؤں اور تضییع اعمال سے ان کو محفوظ رکھتا ہے۔ یہ احسان دوسرے لفظوں میں فیض خاص سے موسوم ہے اور صرف انسان کی نوع سے مخصوص ہے۔ دوسری چیزوں کو خدا نے دعا اور تضرع اور اعمال صالحہ کا ملکہ نہیں دیا مگر انسان کو دیا ہے۔ انسان حیوان ناطق ہے اور اپنی نُطق کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ کا فیض پا سکتا ہے۔ دوسری چیزوں کو نُطق عطا نہیں ہوا۔ پس اس جگہ سے ظاہر ہے کہ انسان کا دعا کرنا اس کی انسانیت کا ایک خاصہ ہے جو اس کی فطرت میں رکھا گیا ہے اور جس طرح خدا تعالیٰ کی صفات ربوبیّت اور رحمانیّت سے فیض حاصل ہوتا ہے اسی طرح صفت رحیمیّت سے بھی ایک فیض حاصل ہوتا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ ربوبیت اور رحمانیت کی صفتیں

دُعا کو نہیں چاہتیں کیونکہ وہ دونوں صفات صرف انسان سے خصوصیت نہیں رکھتیں بلکہ تمام پرند چرند کو اپنے فیض سے مستفیض کر رہی ہیں بلکہ صفت ربوبیّت تو تمام حیوانات اور نباتات اور جمادات اور اجرام ارضی اور سماوی کو فیض رسان ہے اور کوئی چیز اُس کے فیض سے باہر نہیں۔ برخلاف صفت رحیمیّت کے جو وہ انسان کے لئے ایک خلعتِ خاصہ ہے۔ اور اگر انسان ہو کر اس صفت سے فائدہ نہ اٹھاوے تو گویا ایسا انسان حیوانات بلکہ جمادات کے برابر ہے جبکہ خدا تعالیٰ نے فیض رسانی کی چار صفات اپنی ذات میں رکھی ہیں اور رحیمیّت کو جو انسان کی دعا کو چاہتی ہے خاص انسان کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ میں ایک قسم کا وہ فیض ہے جو دُعا کرنے سے وابستہ ہے اور بغیر دعا کے کسی طرح مل نہیں سکتا۔ یہ سنّت اللہ اور قانونِ الٰہی ہے جس میں تخلف جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السّلام اپنی اپنی اُمتوں کے لئے دُعائیں مانگتے رہے۔ توریت میں دیکھو کہ کتنی دفعہ بنی اسرائیل خدا تعالیٰ کو ناراض کر کے عذاب کے قریب پہنچ گئے اور پھر کیونکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا اور تضرع اور سجدہ سے وہ عذاب ٹل گیا حالانکہ بار بار وعدہ بھی ہوتا رہا کہ مَیں ان کو ہلاک کروں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ دعا پر ضرور فیض نازل ہوتا ہے جو ہمیں نجات بخشتا ہے۔ اِسی کا نام فیض رحیمیّت ہے۔ جس سے انسان ترقی کرتا جاتا ہے۔ اِسی فیض سے انسان ولایت کے مقامات تک پہنچتا ہے اور خدا تعالیٰ پر ایسا یقین لاتا ہے کہ گویا آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔''

(ایام الصلح روحانی خزائن جلد نمبر 14 صفحہ 249-250)

٦٤۔ اَلسَّمِیْعُ

بہت سننے والا، سب کی سننے والا، دعا قبول کرنے والا۔ فرمایا:

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ (الشوریٰ:١٢)

وہ سمیع وبصیر ہے لیکن اس کا کوئی مثل نہیں۔

اس کی سماعت ہوا کے تموج اور کسی آلہ سماعت کی محتاج نہیں۔ ان اسباب کے بغیر ہی وہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔ یہ صفت قرآن کریم میں ۱۳۱ جگہ استعمال ہوئی ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّکَ أَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (البقرۃ:١٢٨)

اے ہمارے رب ہم سے قبول فرما بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اسی طرح فرمایا:

وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (البقرۃ:١٣٨)

٦٥۔ اَلْمُجِیْبُ

دعا کرنے والا، جواب دینے والا، اجابت جواب دینے اور دعا قبول کرنے کو کہتے ہیں یعنی جو صدق دل سے اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے وہ اس کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور اس کو جواب بھی دیتا ہے جیسا کہ فرمایا

أُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ۔ (البقرۃ:١٨٧)

جب پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔

اسی طرح فرمایا:

اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ۔ (ھود:٦٢)

بے شک میرا رب قریب ہے اور جواب دینے والا ہے۔

اگر خدا تعالیٰ مجیب الدعوات اور سمیع الدعا نہ ہو تو اس کے عاشق بندے تو جیتے جی

مرجائیں۔

٦٦۔ اَللَّطِیْفُ

نرمی اور مہربانی کرنے والا۔ ایسی مہربانی جس کی کیفیت دریافت سے باہر ہے۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ۔ (لقمان:۱۷)

یقیناً میرا رب جس پر چاہے مہربانی کرتا اور بردباری کرتا ہے۔

پھر فرمایا:۔

اَللّٰہُ لَطِیْفٌ بِعِبَادِہٖ۔ (الشوریٰ:۲۰)

وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔ (الملک:۱۵)

یعنی وہ خبیر ہے۔ اپنے علم کامل کی بنا پر رحم کرتے ہوئے اپنے بندوں پر لطف و کرم فرماتا ہے۔

٦٧۔ اَلْکَرِیْمُ

بزرگ۔ کریم وہ ہے کہ قادر ہو تو معاف کرے۔ وعدہ کرے تو وفا کرے، دے تو امید سے بہت بڑھ کر دے اور کوئی التجا کرے تو بے اعتنائی نہ کرے۔ یہ کبھی مکرم اور جواد کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ اسم الٰہی کے طور پر یہ سورہ نمل میں آیا ہے۔

فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ کَرِیْمٌ۔ (النمل:۴۱)

٦٨۔ اَلْوَدُوْدُ

نیک بندوں کو دوست رکھنے والا۔ ودود مبالغہ کا صیغہ فعول کے وزن پر ہے۔ ودود اور مودت ایک ہی معنوں میں آتے ہیں۔ فرمایا:

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ

(ھود:۹۱)

اپنے رب سے استغفار کرو اور توبہ کرو۔ یقیناً میرا رب رحم کرنے والا ہے۔

اور اس کے تقاضے کو یوں پورا کرتا ہے کہ اپنے بندوں سے انتہائی محبت کرنے لگتا ہے کیونکہ وہ ودود ہے۔

ودّ گڑ جانے کو کہتے ہیں۔ ایسی محبت جو ایک دوسرے کے اندر داخل ہو اور کبھی نہ نکلے اور کم نہ ہو بلکہ بڑھتی جائے اور ایک جگہ فرمایا۔

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ۔ (البروج:۱۵)

۶۹۔ اَلرَّءُوْف

بہت شفقت کرنے والا۔ رأفت کہتے ہیں شدت رحمت کو۔ فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَحِيْمٌ۔ (التوبة:۱۲۸)

إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَحِيْمٌ۔ (الحشر:۱۱)

وَإِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَحِيْمٌ۔ (الحديد:۱۰)

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے بندوں کے ساتھ شفقت اور محبت کا سلوک فرماتا ہے اور اس کی ایک قسم کی رافت سے عام بندوں کو بھی حصہ دیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَحِيْمٌ ۔ (البقرة:۱۴۴)

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۔ (البقرة:۲۰۸)

۷۰۔ اَلْوَلِيُّ

محبّ، مددگار، سرپرست، قریب۔ ولی کہتے ہیں محبّ و ناصر کو، اور اللہ تعالیٰ راست بازوں کا محبّ ہے۔ اور انہیں مدد دیتا ہے اور ولی متولی کو بھی کہتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا سرپرست بھی ہے۔ اسی طرح ولی قریب کے معنوں میں بھی آیا ہے جیسا کہ اس نے دوسری جگہ اپنے قریب ہونے کا ذکر فرمایا:

اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ۔ (ھود:۶۲)

پھر فرمایا

وَ یَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ۔ (الشوریٰ:۲۹)

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا۔ (البقرۃ:۲۵۸)

وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ۔ (الجاثیۃ:۲۰)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ولایت خاص اس کے متقی اور نیک بندوں کے لئے مخصوص ہے۔

۷۱۔ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ

تمام رحم کرنے والوں میں سے جس کا رحم سب سے زیادہ خیر و برکت والا ہے۔ فرمایا:

رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ

(المؤمنون:۱۱۰)

اور ایک جگہ فرمایا:

وَ قُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَ اَنْتَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ

(المؤمنون:۱۱۹)

سچ ہے رحمت خاص کی بھیک خدا تعالیٰ جو خیر الرازقین بلکہ ارحم الراحمین ہی سے مانگی جاتی ہے۔

۷۲۔ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن

سب سے زیادہ رحم کرنے والا۔ قرآن کریم میں یہ اسم اکثر مرتبہ آیا ہے مثلاً فرمایا:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِأَخِیْ وَأَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ وَ اَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ

(الأعراف:۱۵۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

''اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی (ہارون) کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحیمیت میں داخل فرما اور تُو تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

ایسا ہی سورۂ یوسف میں فرمایا:

وَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ (یوسف:۶۵)

خاص حالات میں خاص جوش ہوتا ہے اور ایسے حالات میں اس کی رحمت کی وسعت پر مومن کو نظر ہوتی ہے اور وہ اسی سے اس کی رحمت کا طلبگار رہتا ہے۔

۷۳۔ اَلْغَافِرُ

گناہوں کو بخشنے والا۔ الغافر الغفور اور الغفار یہ تین اسم دراصل ایک ہی ہیں لیکن بلحاظ کمیت و کیفیت اپنے مفہوم کی جدا جدا شان رکھتے اور تین جدا جدا نام ہیں۔ یہ اسم قرآن کریم میں ایک ہی مرتبہ آیا ہے فرمایا:

حٰمٓ۔ تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ۔ (المومن:۲ تا ۴)

طلب مغفرت گناہوں کے بداثرات سے بچنے کے لئے بھی ہوتی ہے اور نیکیوں میں زیادہ مداومت کے حصول کے لئے بھی چنانچہ مومنوں کا استغفار ایسا ہی ہوتا ہے۔ خصوصاً مومنین کے سردار حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی استغفار کیا کرتے تھے۔ جو معصوم عن الخطا تھے اور سردار المعصومین تھے۔

۷۴۔ قَابِلِ التَّوْب

توبہ کو قبول کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والوں کو رجوع الی اللہ کی توفیق دینے والا۔ یہ صفت بھی سورۃ مومن میں ہی آیت بالا میں آئی ہے۔

یعنی جو سچی توبہ کرتا ہے جو ندامت میں لپٹی ہوئی ہو اور آئندہ نیکی کرنے کے پکے عزم کے ساتھ کی گئی ہو۔ حقوق اللہ کی تلافی مافات اور حقوق العباد میں غفلتوں کا ازالہ اور ان پر احسان کرتے ہوئے کی جاتی ہو ضرور قبول ہوتی ہے۔

۷۵۔ تَوَّابٌ

گناہ گاروں کی توبہ قبول کرنے والا۔ رجوع برحمت کرنے والا۔ تَوَّاب مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کا مادہ توبہ ہے۔ اس کے اصل معنی ہیں رجوع کرنا اور بدی سے توبہ کا مفہوم یہ ہے کہ بدی چھوڑ کر اس کے بالمقابل نیکی اختیار کرے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی نسبت ہو تو مطلب ہوگا رجوع برحمت ہونا۔ فرمایا:

اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ (البقرۃ:۱۲۹)

یہ اسم دیگر اسماء کے ساتھ مل کر بھی آیا ہے۔ مثلاً

وَأَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۔ (النور:۱۱)

اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۔ (الحجرات:۱۳)

فرمایا

اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۔ (النصر:۴)

اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ وہ بار بار رجوع برحمت فرماتا ہے اور توبہ قبول فرماتا ہے جو اس کی رحیمیت کا ایک جلوہ ہے۔

۷۶۔ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ

جس کی مغفرت اور بخشش اور پردہ پوشی میں خیر ہی خیر ہو۔ فرمایا:

اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ

(الأعراف:۱۵۶)

تو ہمارا کارساز ہے پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو بہترین معاف کرنے والا ہے۔

۷۷۔ ذُوْ مَغْفِرَة

مغفرت کا مالک۔مغفرت کے معنے ڈھانپنے اور پردہ پوشی کے ہیں۔فرمایا:

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ

(الرعد:۷)

یقیناً تیرا رب اس کے بعد کہ لوگ اپنے پر ظلم کرتے ہیں، مغفرت اور رحمت کرنے والا ہے اور تیرا رب پکڑ میں بھی بڑا سخت ہے۔

یوں تو وہ ذو مغفرة ہے لیکن جب حد سے بڑھتے ہوئے دیکھتا ہے تو **شدید العقاب** بھی ہے یہ بھی اس کی رحمت کا ہی ایک جلوہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو حد سے نہ بڑھنے دے تا کہ وہ آخرت کے عذاب شدید سے بچ جائیں۔

۷۸۔ ذُوْ رَحْمَة

رحمت کا مالک، رحم کرنے والا۔فرمایا:

وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۔ (الأنعام:۱۳۴)

اور تیرا رب غنی اور صاحبِ رحمت ہے۔

سورہ کہف میں فرمایا

وَ رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ۔ (الکهف:۵۹)

اور تیرا رب غفور اور صاحب رحمت ہے اگر وہ ان کی کرتوتوں کے باعث پکڑتا تو کبھی کا عذاب آ چکا ہوتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ان کے لئے ایک میعاد مقرر ہے وہ اس سے بچ نہ

سکیں گے۔

ذُو الرَّحْمَةِ کا یہ بھی مفہوم ہے کہ وہ سزا دینے میں ڈھیل ہی نہیں دیتا بلکہ اس کی سزا کی تہہ میں رحمت ہی رحمت ہوا کرتی ہے جیسے جراح اور سرجن کی تکلیف میں آرام ہی آرام ہوتا ہے۔

٧٩۔ اَلشَّكُوْرُ

قدردان۔ فرمایا:

لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ

(فاطر:٣١)

یہ کہ تا وہ اپنے فضل سے ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے بے شک وہ غفور بھی ہے اور قدردان بھی ہے۔

یہ اس کی قدردانی ہے کہ محدود اور تھوڑے عمل پر لامتناہی ثواب اور اجر عطا فرماتا ہے۔

٨٠۔ اَلشَّاكِرُ

قدردانی کرنے والا اور اپنے بندوں کی اطاعت پر خوش ہو کر ثواب دینے والا۔ اپنی نعمتوں اور فضلوں کو بڑھانے والا۔ جیسا کہ ایک جگہ فرمایا:

لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ۔ (ابراهيم:٨)

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا

(النسآء:١٤٨)

اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرو اور اس پر ایمان لاؤ تو وہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اور خدا تعالیٰ قدردان اور جاننے والی ہستی ہے۔

فرمایا: فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ۔ (البقرة:١٥٩)

۸۱۔ کَاشِفُ الضُّرّ

غموں اور دکھوں کو دور کرنے والا۔ اس کا مادہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ۔ (الأنعام:۱۸)

یعنی اللہ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو وہی ہے جو اس کو دور کرتا ہے۔

ایک جگہ فرمایا:

اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلًا۔ (الدخان:۱۶)

یعنی بے شک ہم کچھ عذاب دور کرنے والے ہیں۔

اسی رکوع میں ایک اور جگہ فرمایا:

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ۔ (الدخان:۱۳)

اے ہمارے رب ہم سے عذاب دور کر بے شک ہم مومن ہوئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کاشف الضر ہونا اس کی ربوبیت کے تقاضے کو بھی پورا کرتا ہے اور اس کی رحیمیت پر بھی دال ہے۔

۸۲۔ اَلْوَكِیْلُ

کارساز۔ وکیل اسے کہتے ہیں جس کے سپرد اپنا کل کام کردیں اور تمام تصرف اس کے ہاتھ میں ہو۔ خدا تعالیٰ نے اپنے عاجز بندوں کے تمام کام اپنے خاص فضل اور رحم کے ساتھ اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے ہیں اسی لئے وہ وکیل نعم الوکیل ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ۔ (ھود:۱۳)

وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ۔ (آل عمران:174)

وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا۔ (النساء:۸۲)

۸۳۔ اَلْعَفُوُّ

گناہوں سے درگزر کرنے والا۔ گناہوں کو مٹانے والا۔ عفو غفر سے بڑھ کر ہے اس لئے غفر میں تو چھپانا اور ڈھانکنا مقصود ہوتا ہے اور عفو میں گناہوں کو محو کر دینا ہوتا ہے۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا۔ (النساء:۴۴)

اور ایک جگہ فرمایا:

فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا۔ (النسآء:۱۵۰)

۸۴۔ اَلْقَابِضُ

لوگوں کے صدقات کا لینے والا اور ان کے اچھے نتائج پیدا کرنے والا نیز جس کے قبضۂ قدرت میں ہر شے ہے۔

۸۵۔ اَلْبَاسِطُ

بڑھانے والا۔

یہ دونوں اسم ایک دوسرے کے بالمقابل واقع ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ لیتا ہے اور اس کو بڑھا کر اور بہت سا ثواب مرتب کر کے واپس کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَ یَبْسُطُ وَ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ۔ (البقرۃ:۲۴۶)

اور اللہ ہی ہے جو قبض و بسط کرتا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

روحانی لحاظ سے جو قبض و بسط کا سلسلہ چلتا ہے وہ بھی اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے تا انسان روحانیت میں ترقی کرتا چلا جائے۔

۸۶۔ اَلْمُعِزّ

عزت دینے والا۔ یعنی جسے وہ عزت دینا چاہے اسے کوئی ذلیل نہیں کرسکتا اور جسے وہ

ذلیل کر دے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔

۸۷۔اَلْمُذِلُّ

ذلیل کرنے والا۔

اعزاز کہتے ہیں عزت کرنے کواور **اذلال** خواراور ذلیل کرنے کو۔اللہ تعالیٰ اطاعت و فرمانبرداری کی توفیق دے کراس دنیا میں مزید انعامات عطا فرما کراور جنت کا وارث قرار دے کراس دنیا میں اپنے پیاروں کوعزت دیتا ہےاورعزت کے سامان پیدا کرتا ہے۔اور بالمقابل جوخدا تعالیٰ کے طریق کے مطابق نہیں چلتے۔اپنے اعمال بد کی وجہ سے ذلیل کئے جاتے ہیں۔

حضرت امام غزالیؒ ان اسماء کے معنے کرتے ہیں کہ خدا جسے چاہتا ہے ملک دیتا ہے جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ یہ دونوں اسماء سورہ آل عمران میں اپنے مشتقات رکھتے ہیں۔

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ

(آل عمران:۲۷)

۸۸۔اَلْمُقَدِّمُ

اپنے دوستوں کو بارگاہِ عزت کی طرف بڑھانے والا اوراولیت دینے والا۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کومقدم کر لیتا ہے جواس کی ذات کو دوسروں پر مقدم کر لیتے ہیں اور ترجیح دیتے ہیں۔صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر مقدم کرلیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بھی ان کو فتح پر فتح دیتا چلا گیا۔آج جماعت احمدیہ کے عالمگیر غلبہ کے لئے ۳۰۰ سال کا عرصہ مذکور ہے۔اگر آج صحابہؓ جیسی قربانیاں کرنے والے ہم بھی ہوئے تو یہ عرصہ اللہ تعالیٰ اپنی شفقت سے کم بھی کرسکتا ہے۔

۸۹۔اَلْمُؤَخِّر

جوخدا اوراس کے رسول کوقبول نہیں کرتے اور سفلی زندگی اختیار کرتے ہیں ان کو پیچھے

ڈالنے والا۔

تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے باوجود اتنے وعدوں کے قربانیوں میں لیت ولعل کیا تو وعدے موخر کر دئے گئے اور ۴۰ سال کے بعد ایک نئی نسل تربیت پا کر آئی اور ان وعدوں کی مصداق بنی۔ وعدے بوجہ قربانیوں کی کمی کے مؤخر ہو گئے۔

۹۰۔خَیْرُ الْمَاکِرِیْنُ

سب تدابیر کرنے والوں میں سے بہترین تدبیر کرنے والا۔جس کی تدبیر میں خیر و برکت ہو۔فرمایا:

وَ مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔ (آل عمران:۵۵)

انہوں نے تدبیریں کیں اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

پھر فرمایا:

وَ یَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔ (الأنفال:۳۱)

خدا تعالیٰ اپنے پیاروں کے لئے رفعتوں کے سامان کرتا ہے تدابیر کرتا ہے اور رحیمیت کے جلوے دکھاتا ہے۔

۹۱۔اَلرَّافِعُ

درجات عالیہ عطا کرنے والا،وفات کے بعد مقام رفع میں اٹھانے والا۔فرمایا:

وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ إِدْرِیسَ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیقًا نَبِیًّا۔ وَ رَفَعْنَاہُ مَکَانًا عَلِیًّا۔ (مریم:۵۷-۵۸)

اور اس کتاب میں ادریس کو بھی یاد کرو وہ بے شک نبی راستباز تھا۔ہم نے مکان اعلیٰ میں اس کا رفع کیا۔پھر فرمایا:

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْکُمْ۔ (المجادلة:۱۲)

اللہ تعالیٰ جو ان میں مومنین ہوں گے ان کا رفع کرے گا۔فرمایا:

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ

(آل عمران:۵۶)

جو مومن بندے عاجزی وانکساری اختیار کرتے ہیں اور اعمال صالحہ بجالاتے ہیں خدا تعالیٰ کے مقربین میں شامل ہوجاتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کا رفع ساتویں آسمان تک کرتا ہے۔(حدیث)

۹۲۔اَلْوَافِیْ

پورا پورا بدلہ دینے والا ۔ ایفائے عہد کرنے والا۔اس اسم کے مشتقات بھی قرآن کریم میں موجود ہیں۔فرمایا:

أَوْفُوْا بِعَهْدِيْ أُوفِ بِعَهْدِكُمْ ۔ (البقرۃ:۴۱)

تم میرے عہد کو پورا کرو۔میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔ایک اور جگہ فرمایا

فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۔ (آل عمران:۵۸)

پس وہ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔یہ اس کی رحیمیت بے پایاں ہے۔

۹۳۔اَلْکَفِیْلُ

ضامن،ضمانتوں کو قبول کرنے والا،عہدوں پر نگاہ رکھنے والا۔فرمایا:

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۔ (النحل:۹۲)

جب اللہ تعالیٰ سے عہد کرو تو اس کے ساتھ کئے گئے عہد کو پورا کرو اور ان کے پختہ ہوجانے کے بعد مت توڑو۔ بیشک تم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر ضامن کرلیا ہے اور اللہ تعالیٰ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے یہ بھی اس کی بے پایاں شفقت اور رحمت ہے کہ وہ

اپنے بندوں کا ضامن بن جاتا ہے۔

۹۴۔اَلْوَاجِد

غنی۔مقصد میں کامیاب کرنے والی اور کامیاب ہونے والی ہستی۔

۹۵۔اَلْمُغَيِّر

انسان کے اپنے ایمان اور اعمال کے موافق اس کے ساتھ معاملہ کرنے والا۔فرمایا:

ذَالِكَ بِأَنَّ اللهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلَى قَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ۔ (الأَنفال:۵۴)

یہ کہ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو بدلنے والا نہیں جو اس نے کسی قوم کو دی ہے جب تک کہ وہ قوم اپنے اندر کوئی تبدیلی نہ کرے۔افراد کے اعمال کا اثر ساری قوم کے اخلاق پر پڑتا ہے اور یہ بھی خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ قومی انعام کو قوم کے نا اہل ہونے کی وجہ سے واپس لے لیتا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے ذریعے کتنے انعام کئے گویا ان کی کوششوں اور دعاؤں سے مردہ قوم زندہ ہوگئی لیکن جب انہوں نے ہادی برحق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا انکار کر دیا تو سب انعام ان سے چھن گئے۔ جب خدا تعالیٰ کے فرستادوں کا انکار کیا جائے تو قوم کی اصلاح کا مسئلہ کھٹائی میں پڑ جاتا ہے اور ایسی قوم سے انعامات لے کر کسی اور قوم کو جو ان کی اہل ہو دے دیئے جاتے ہیں۔

۹۶۔اَلنَّافِع

نفع و خیر کو پیدا کرنے والا۔نیک اعمال کے بدلے سکھ دینے والا۔خدا تعالیٰ کی ذات ہی نفع رساں ہے باقی سب محتاج ہیں۔وہ اپنے خاص بندوں کے ساتھ خاص سلوک فرماتا ہے۔ جو لوگ اس کی راہ میں قربانیاں کرتے ہیں پشت ہا پشت تک ان کو نوازتا ہے۔حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’ہمارے خدا میں بے شمار عجائبات ہیں مگر وہی دیکھتے ہیں جو صدق اور وفا سے اس کے ہو گئے ہیں وہ غیروں پر جو اس کی قدرت پر یقین نہیں رکھتے اور اس کے صادق و وفادار نہیں وہ عجائبات ظاہر نہیں کرتا۔ کیا ہی بد بخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔‘‘

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد نمبر ۱۹ صفحہ ۱۹)

اسی طرح جلالی و جمالی صفات الٰہیہ کے جلوہ گر ہونے کے متعلق آپ یوں رقم طراز ہیں:

’’یاد رہے کہ جس طرح ستارے ہمیشہ نوبت بہ نوبت طلوع کرتے رہتے ہیں اسی طرح خدا کے صفات بھی طلوع کرتے رہتے ہیں۔ کبھی انسان خدا کے صفاتِ جلالیہ اور استغناء ذاتی کے پرتوہ کے نیچے ہوتا ہے اور کبھی صفات جمالیہ کا پرتوہ اس پر پڑتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ۔ (الرحمٰن:۳۰)

پس یہ سخت نادانی کا خیال ہے کہ ایسا گمان کیا جائے کہ بعد اس کے کہ مجرم لوگ دوزخ میں ڈالے جائیں گے پھر صفاتِ کرم اور رحم ہمیشہ کے لئے معطّل ہو جائیں گی اور کبھی ان کی تجلّی نہیں ہوگی۔ کیونکہ صفاتِ الٰہیہ کا تعطّل ممتنع ہے بلکہ حقیقی صفت خدا تعالیٰ کی محبت اور رحم ہے اور وہی اُمّ الصفات ہے اور وہی کبھی انسانی اصلاح کے لئے صفات جلالیہ اور غضبیہ کے رنگ میں جوش مارتی ہے اور جب اصلاح ہو جاتی ہے تو محبت اپنے رنگ میں ظاہر ہو جاتی ہے اور پھر بطور موہبت ہمیشہ کے لئے رہتی ہے۔ خدا ایک چڑ چڑہ انسان کی طرح نہیں ہے جو خواہ نخواہ عذاب دینے کا شائق ہو۔ اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ اپنے پر آپ ظلم کرتے ہیں۔ اس کی محبت میں تمام نجات اور اس کو چھوڑنے میں تمام عذاب ہے۔‘‘

(چشمہ مسیحی روحانی خزائن جلد نمبر ۲۰ صفحہ ۳۷۰۔۳۷۱)

اُم الصّفات مالک کے تحت صفات الٰہیہ

''خدا تعالیٰ جو ہمارا خدا کہلاتا ہے اس کی خدائی کی اصل حقیقت ہی یہی ہے کہ وہ ایک مبدءِ فیض وجود ہے جس کے ہاتھ سے سب وجودوں کا نمود ہے اسی سے اس کا استحقاق معبودیت پیدا ہوتا ہے اور اسی سے ہم بخوشی دل قبول کرتے ہیں کہ اس کا ہمارے بدن و دل و جان پر قبضہ استحقاقی قبضہ ہے کیونکہ ہم کچھ بھی نہ تھے اسی نے ہم کو وجود بخشا۔ پس جس نے عدم سے ہمیں موجود کیا وہ کامل استحقاق سے ہمارا مالک ہے۔''

(شحنۂ حق روحانی خزائن جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۴۸۔۲۴۹)

پھر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام فرماتے ہیں:

''چوتھا احسان خدا تعالیٰ کا جو قسم چہارم کی خوبی ہے جس کو فیضان اخص سے موسوم کر سکتے ہیں مالکیّت یوم الدّین ہے جس کو سورۃ فاتحہ میں فقرہ مالک یوم الدّین میں بیان فرمایا گیا ہے اور اس میں اور صفت رحیمیّت میں یہ فرق ہے کہ رحیمیّت میں دعا اور عبادت کے ذریعہ سے کامیابی کا استحقاق قائم ہوتا ہے اور صفت مالکیّت یوم الدّین کے ذریعہ سے وہ ثمرہ عطا کیا جاتا ہے۔ اِس کی ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے ایک انسان گورنمنٹ کا ایک قانون یاد کرنے میں محنت اور جدوجہد کر کے امتحان دے اور پھر اس میں پاس ہو جائے۔ پس رحیمیّت کے اثر سے کسی کامیابی کے لئے استحقاق پیدا ہو جانا پاس ہو جانے سے مشابہ ہے اور پھر وہ چیز یا وہ مرتبہ میسّر آ جانا جس کے لئے پاس ہوا تھا اُس حالت سے مشابہ انسان کے فیض پانے کی وہ حالت ہے جو پرتوہ صفت مالکیّت یوم الدین سے حاصل ہوتی ہے۔ ان دونوں صفتوں رحیمیّت اور مالکیّت یوم الدّین میں یہ اشارہ ہے کہ فیض رحیمیّت خدا تعالیٰ کے رحم سے حاصل ہوتا ہے۔ اور فیض مالکیّت یوم الدّین

خدا تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتا ہے اور مالکیّت یوم الدین اگرچہ وسیع اور کامل طور پر عالمِ معاد میں متجلّی ہوگی مگر اس عالم میں بھی اس عالم کے دائرہ کے موافق یہ چاروں صفتیں تجلّی کر رہی ہیں۔''

(کشف الغطاء روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۵۰-۲۵۱)

۹۷۔اَلْمَالِکُ

جزاء سزا دینے والا مَالِكٌ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتٌ

مالک با اختیار ہوتا ہے اور اچھائی کی جزاء اور برائی کی سزا دینے میں بھی با اختیار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب بھی ہے وہ جذبوں کو بھی جاننے والا ہے اسی لئے بڑھ چڑھ کر جزاء دیتا ہے اور سزا اتنی ہی دیتا ہے جتنا قصور ہو۔ تبھی تو جنت دائمی اور دوزخ عارضی ہے۔ کیونکہ اس کی رحمت ہر چیز ہر حاوی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی فرمایا کہ ایک وقت آئے گا جب نسیم صبا دوزخ میں چلے گی تو دروازے کھڑکھڑائے گی اس میں کوئی بھی نہ ہوگا۔ سچ ہے رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس صفت کے کامل مظہر تھے۔ آپ نے جبکہ با اختیار تھے فتح مکہ کے وقت لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ فرمایا اور اپنے خون کے پیاسوں کو بخش دیا۔ یہ اعلیٰ اخلاق جب انہوں نے دیکھا تو وہ آپ کے گرویدہ ہوگئے اور سب کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ بائیبل میں بھی تاکستان کی تمثیل میں آپ کی آمد کو مالک کا آنا قرار دیا گیا ہے۔

(دیکھیں متی باب ۲۱ آیت ۴۰)

۹۸۔اَلْمَلِکُ

پورا مالک اشیاء کی خلق و بقاء پر۔ مالک اور ملک میں بہت فرق ہے۔ مالک عام ہے اور ملک خاص ہے پھر مالک ملک نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے ہر ملک مالک ضرور ہوتا ہے۔ قرآن

کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَلِكِ النَّاسِ جس میں خصوصیت پائی جاتی ہے۔

۹۹۔مَلِیۡک

اس صفت کے بعض اشتقاق جیسے مَالِكَ الْمُلْكِ، مَلَكُوْت وغیرہ سب قریب قریب ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں۔قرآن کریم میں ان کا استعمال اس باریک فرق کو ظاہر کرتا ہے جو ان کے معنے اور مفہوم میں پایا جاتا ہے۔ملیک قرآن کریم میں صرف ایک بار استعمال ہوا ہے۔ فرمایا:

فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۔ (القمر:۵۶)

۱۰۰۔مَالِکَ الْمُلْکِ

فرمایا:

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ

(آل عمران:۲۷)

ملک کا مالک جسے چاہے ملک عطا کرے

۱۰۱۔مَلَکُوۡت

بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ کے رنگ میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بیان کی گئی ہے اور یہ صفت مالکیت کی ایک شان ہے۔فرمایا:

فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

(یس:۸۴)

یعنی پاک ذات وہ ہے جس کے ہاتھ میں حکومت ہے ہر شے کی اور اس کی طرف ہی تم لوٹائے جاؤ گے۔ یہ اسم سورہ مومن میں بھی ایسے ہی استعمال ہوا ہے کہ ید کا لفظ ساتھ ہے اور ید خدا تعالیٰ کی قوت پر دلالت کرتا ہے۔

۱۰۲۔اَلْعَزِیْزُ

بے نظیر، سب پر غالب۔ذرہ ذرہ پر متصرف، معزز کرنے والا۔جس کے حضور کوئی امر ناممکن نہ ہو، جس کی قدرت میں کوئی نقص نہ ہو۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا تعالیٰ نے عزیز کہہ کر پکارا ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو معراج روحانیت کا بلند ترین مقام عطا فرمایا اور سب سے آگے بڑھ گئے اور خاتم النبیین کا لقب آپ کو عطا ہوا۔

۱۰۳۔اَلْقُدُّوس

تمام ان اسباب عیوب سے پاک جن کو حس دریافت کر سکے یا خیال تصور کر سکے یا وہم اس طرف جائے یا قلبی قویٰ سمجھ سکیں۔استثناء باب ۳۳ آیت ۲ میں آپ کو دس ہزار قدوسیوں کا سردار بتایا گیا ہے اور یہ پیش گوئی بھی فتح مکہ کے وقت پوری ہوئی۔پس خدا تعالیٰ کی صفت القدوس کے آپ مظہر تھے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے والے صحابہؓ اور ہر مومن بھی آپ کی کامل پیروی سے قدوسیت کی چادر میں لپیٹا جاتا ہے۔

۱۰۴۔اَلْمُتَکَبِّر

تمام مخلوقی عیوب اور مخلوق کے اوصاف سے مبرا۔تمام چھوٹے بڑوں اور ہر ایک قسم کے شرک سے اس کی ذات پاک ہے اور بلند و بالا ہے۔کمال عظمت اور بزرگی کا مالک اور مستحق۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ
الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ (الحشر:۲۴)

حق یہ ہے کہ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔وہ بادشاہ ہے۔خود پاک ہے اور دوسروں کو پاک کرتا ہے۔خود ہر عیب سے سلامت ہے۔دوسروں کو سلامت رکھتا ہے۔سب کو امن دینے والا ہے اور سب کا نگران ہے غالب ہے اور سب ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑتا ہے

بڑی شان والا ہے۔جن چیزوں کو یہ لوگ اس کا شریک قرار دیتے ہیں ان سے اللہ پاک ہے۔

۱۰۵۔اَلْقَھَّارُ

زبردست غلبہ رکھنے والا حکمران۔قہر کے معنی عربی زبان میں غلبہ اور طاقت کے ہیں قاہر کے معنی غالب اور طاقت ور۔اَلْقَاھِرُ جو اللہ تعالیٰ کا نام ہے اس کے معنی ہیں وہ ذات پاک جو سب پر غالب ہے۔

انبیاء کرام دنیا میں آ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انذار بھی کرتے ہیں اور بشارتیں بھی دیتے ہیں۔جو ان کی بات پر کان نہیں دھرتے اللہ تعالیٰ ان پر قہری تجلی نازل فرماتا ہے۔جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں نمرود،حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ابوجہل اور عاد و ثمود و قوم صالح اور قوم نوح اپنے انبیاء کا انکار کر کے خدا تعالیٰ کی قہری تجلی کا نشانہ بن گئیں اور ہمارے زمانے میں حضرت مسیح موعودؑ کے مقابل پر آنے والے کیا ڈوئی،عبداللہ آتھم اور لیکھرام سب قہری تجلی کا نشانہ بن گئے اور ابھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا۔اس لئے جلد اس کی پناہ میں آجانا چاہیے۔

۱۰۶۔اَلْقَاھِرُ

اَلْقَھَّارُ اَلْقَاھِرُ کا مبالغہ ہے۔خود قرآن کریم نے اَلْقَاھِر کے معنی کر دیئے ہیں۔فرمایا:

وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ۔ (الأنعام:۱۹)

اور وہ خدا طاقت ور ہے۔یعنی اپنے بندوں پر غالب ہے۔اور اَلْقَھَّار قرآن کریم میں مندرجہ ذیل مقامات پر آیا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ وَّمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ

(ص:٦٦)

کہہ و بیشک میں نافرمانوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والا ہوں۔ ہاں یاد رکھو اللہ کے سوا (جو اکیلا زبردست اور غالب ہے) کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔

پھر فرمایا:

یَاصَاحِبَیِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

(یوسف:۴۰)

اے میرے قید خانہ کے رفیقو! آیا جدا جدا معبود اچھے ہیں یا اکیلا اللہ جو زبردست ہے۔

پھر فرمایا:

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ (الرعد:۱۷)

کہہ و اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ اکیلا اور زبردست غلبہ والا ہے۔

اسی طرح زمر ع ۱۔ ابراہیم ع ۵ ۳ اور مومن ع ۶ میں بھی یہ اسم قہار استعمال ہوا ہے۔ جہاں بھی یہ اسم آیا ہے وہاں خدا تعالیٰ کی حکومت و جبروت اور دبدبے کا ذکر ہے اور اس کی شان مالکیت کو پیش کیا گیا ہے۔

۱۰۷۔ اَلْوَاحِد

تنہا، یگانہ، یکتا۔ واحد سے مراد یہ ہے کہ اس کو اجزاء اور حصص میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ احد اور واحد کے معنی ایک اور اکیلا کے ہوں گے۔ وہ اپنی ذات میں احد ہے اور صفات میں واحد فرمایا:

وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ (ص:٦٦)

قرآن کریم میں اکثر مقامات پر آیا ہے جن میں ۶ جگہ اسم القہار کے ساتھ مل کر آیا ہے۔ دراصل اس طرح سے اس کی ذات کی بڑائی بیان کرنا مقصود ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت کے ظل اور مظہر اس طرح ہوئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۔ (الضحی:۸)

آپ کو اپنی محبت میں سرشار گویا کہ اپنے وجود سے بھی فراموش پایا اور آپ کو ہدایت کی راہیں دکھادیں۔ اور وصال الٰہی آپ کو حاصل ہوا۔ یہ تو وہ حالت تھی جس سے آپ کے مخالف بھی آگاہ تھے اور وہ بھی کہا کرتے تھے عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّہٗ کہ محمد تو اپنے رب کے عاشق ہو گئے ہیں۔

۱۰۸۔ اَلصَّمَد

بے نیاز انسان کے مقاصد کا اصل مرجع۔صمد کے اصل معنی ہیں قصد چونکہ انسان اپنے تمام مطالب ومقاصد میں اللہ تعالیٰ کا محتاج اور اسی کا قصد کرتا ہے۔اس لئے اس کی صفت اَلصَّمَدُ ہے۔سورہ اخلاص میں فرمایا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔ اللّٰهُ الصَّمَدُ

حضرت بانی جماعت احمدیہ علیہ السلام اس کے متعلق فرماتے ہیں

''اس اقل عبارت کو جو بقدر ایک سطر بھی نہیں دیکھنا چاہیے کہ کس نظافت اور عمدگی سے ہر ایک قسم کی شراکت سے وجود حضرت باری کا منزہ ہونا بیان فرمایا ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ ازروئے حصر عقلی چار قسم پر ہے۔کبھی شرکت عدد میں ہوتی ہے کبھی مرتبہ میں اور کبھی نسب میں اور کبھی فعل اور تاثیر میں سو اس سورہ میں ان چاروں قسموں کی شراکت سے خدا کا پاک ہونا بیان فرمایا اور کھول کر بتلادیا کہ وہ اپنے عدد میں ایک ہے۔دو یا تین نہیں اور وہ صمد ہے یعنی اپنے مرتبہ وجوب اور محتاج الیہ ہونے میں منفرد اور یگانہ ہے اور بجز اس کے تمام چیزیں ممکن الوجود اور ھالک الذات ہیں۔جو اس کی طرف ہر دم محتاج ہیں۔''

(براہین احمدیہ چہار حصص روحانی خزائن جلد نمبر ۱ صفحہ ۵۱۸ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳)

۱۰۹۔ اَلْفَتَّاحُ

مشکل کشا۔ بندوں پر حکم کرنے والا۔ فتح کے معنی کھولنے اور حکم کرنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں اسم کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ۔ (سبا:۲۷)

پھر حق و حکمت سے بھرا ہوا فیصلہ صادر فرمائے گا اور وہ جاننے والا اور حکم کرنے والا ہے۔

۱۱۰۔ خَيْرُ الْفَاتِحِيْن

سب کشائش کرنے والوں سے بہتر۔ سب سے بہتر کھولنے والا۔ حق کو ظاہر کرنے والا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی دعا یوں درج ہے:

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ

(الأعراف:۹۰)

اے ہمارے رب ہم میں اور ہماری قوم میں حق کے ساتھ فیصلہ کر دے۔ تو سب فیصلہ کرنے والوں میں بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

۱۱۱۔ اَلْعَظِيْمُ

بڑا بزرگ۔ عظمت والا۔ The Great نماز میں بار بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ کہا جاتا ہے۔

فرمایا:

وَلَا يَئُوْدُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۔ (البقرة:۲۵۶)

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۔ (الشوریٰ:۵)

اِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ (الحاقة:۳۴)

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۔ (الحاقة:۵۳)

۱۱۲۔اَلْعَلِیُّ

بہت علو والا۔ اللہ تعالیٰ کیونکہ سب سے فوق المرتبہ ہے اس لئے اس کا نام العلی ہے۔ نماز میں بھی بار بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی کہہ کر اس کے مرتبہ کا اقرار کیا جاتا ہے۔

۱۱۳۔اَلْکَبِیْرُ

بزرگ تر۔ تمام بزرگیوں کا مستحق۔ بزرگی عطا کرنے والا اَلْعَلِیُّ اَلْکَبِیْرُ۔ یہ دونوں اسم بھی اکثر اکٹھے آتے ہیں اور کبھی العلی العظیم کے ساتھ بھی آیا ہے۔ فرمایا:

قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۔ (السبا:۲۴)

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۔ (البقرة:۲۵۶)

اور یہ اسم الکبیر کے ساتھ نساء ع ۶۔ لقمان ع ۳ میں بھی آیا ہے۔ اور ان صفات میں خدا تعالیٰ کی شان مالکیت بیان کی گئی ہے اور نماز میں بھی بار بار اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر اس کی بڑائی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

۱۱۴۔اَلْوَالِی

تمام امور کا متولی اور سب کا مالک۔ قرآن کریم میں یہ اسم رعد آیت 12 میں آیا ہے۔ فرمایا:

وَمَا لَهُمْ مِنْ دُوْنِهِ مِنْ وَّالٍ ۔ (الرعد:۱۲)

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے لئے کوئی بھی والی نہیں۔

۱۱۵۔اَلشَّهِیْدُ

حاضر و نگہبان، گواہ و نگران بادشاہ۔ یہ اسم شہود سے متعلق ہے یا شہادت سے۔ شہود سے

ہوتو معنی ہوئے حاضر ہونے کے اور شہادت سے ہوتو معنی ہوں گے۔ گواہ۔ غرض الشھید اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کے معنی ہوں گے مخلوقات کے ہر حال سے مطلع اور واقف۔ فرمایا:

وَ اَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ۔ (المائدۃ:۱۱۸)

پھر فرمایا:

قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ شَھِیْدًا۔ (العنکبوت:۵۳)

اسی طرح مندرجہ ذیل مقامات پر بھی آیا ہے۔ سبا ع ۲۔ مجادلہ ع ۱۰۔ انعام ع ۲۔ یونس ع ۵۔ حج ع ۲۔

۱۱۶۔ اَلْحَقّ

سچائی اور صداقت کا سرچشمہ، اپنی ہستی میں ثابت شدہ وجود جس میں کوئی تبدیلی اور تغیر نہیں ہوسکتا۔ فرمایا:

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ مَوْلٰھُمُ الْحَقِّ۔ (الأنعام:۶۳)

پھر وہ سب کے سب اپنے حقیقی مولیٰ کی طرف واپس کئے جائیں گے۔ اسی طرح فرمایا:

فَتَعٰلَی اللّٰہُ الْمَلِکُ الْحَقُّ۔ (طہ:۱۱۵)

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ ۔ (الحج:۶۳)

اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ۔ (النور:۲۶)

کیونکہ ہر شے کو فنا ہے۔ لہٰذا ہر شے غیر حقیقی ہے اور صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہی غیر متبدل اور غیر فانی ہے اس لئے وہ ہی ایک حقیقت اور حق ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ

(الرحمن:۲۷۔۲۸)

۱۱۷۔ اَلْقَوِیُّ

توانا، تام القدر۔ حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ قوت دلالت کرتی ہے قدرت کاملہ بالغہ پر چونکہ وہ قدرت کاملہ بالغہ رکھتا ہے اسی وجہ سے وہ اَلْقَوِیُّ کہلاتا ہے۔ فرمایا:

اَللّٰہُ لَطِیْفٌ بِعِبَادِہٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ۔

(الشوریٰ:۲۰)

یہ اسم خدا تعالیٰ کی دیگر صفات کے ساتھ مل کر بھی آیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔

(المجادلۃ:۲۲)

اِنَّہٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۔ (المؤمن:۲۳)

یہ یاد رہے کہ جب خدا تعالیٰ کی کچھ صفات ایک دوسرے کے ساتھ مل کر آتی ہیں تو خدا تعالیٰ کی شان کے جلوے ایک اور ہی رنگ اور معانی کو اپنے اندر لئے ہوئے ظاہر ہوتے ہیں۔ گویا یہ صفات ایک دوسرے کے ساتھ مل کر خدا تعالیٰ کی ان مختلف صفات سے متصف طاقتوں کا مشترکہ طور پر جلوہ دکھا کر آنکھوں کو خیرہ اور دلوں کو جذب کر رہی ہوتی ہیں۔

۱۱۸۔ شَدِیْدُ الْعِقَاب

برے کاموں کی سخت سزا دینے والا۔ ارتکاب جرم کے بعد مرتکب جرم کو سخت سزا دینے والا۔ یہ اسم سورہ مومن کی ابتداء میں آیا ہے۔ فرمایا:

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ۔

(المؤمن:۴)

اسی طرح فرمایا:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۔ (البقرۃ:۱۹۷)

یہ اسم اسی طرح تین جگہ اور بھی آیا ہے۔

۱۱۹۔ سَرِیْعُ الْعِقَاب

جلد نتیجہ دکھانے والا۔ جلد عذاب دینے والا (انہیں جو توبہ نہیں کرتے اور گمراہی میں آگے ہی آگے بڑھتے جاتے ہیں) یہ اسم قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے۔ فرمایا:

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ۔ (الأعراف:۱۶۸)

اور سورہ انعام میں بھی آیا ہے۔

۱۲۰۔ شَدِیْدُ الْعَذَاب

سخت عذاب دینے والا۔ فرمایا:

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ۔ (إبراهیم:۸)

اور اگر تم نے انکار کیا تو یاد رکھو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

۱۲۱۔ شَدِیْدُ الْبَطْش

جس کی گرفت میں سختی اور قوت ہو۔ فرمایا:

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ۔ (البروج:۱۳)

نیز فرمایا:

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ۔ (الشعراء:۱۳۱)

۱۲۲۔ مُخْزِی الْكَافِرِیْن

منکرین کو انبیاء و رسل کے مقابلہ میں ذلیل کرنے والا۔ یہ بھی اس کی حاکمانہ شان ہے کہ اپنے پیغمبروں کے مقابل منکرین کو ذلیل کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِی الْكَافِرِیْنَ۔ (التوبة:۲)

اور تاریخ سابق سے یہ بات اظہر من الشّمس ہے۔

۱۲۳۔ بَرِیءٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْن

مشرکین سے بے زار۔فرمایا:

وَ اَذَانٌ مِنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (التوبة:۳)

یعنی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام لوگوں کو حج اکبر کے دن اطلاع دی جاتی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بے زار ہیں۔دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ (لقمان:۱۴)

چنانچہ ظلم عظیم کے مرتکبین کے نام ایک نوٹس جاری کیا گیا کیونکہ وہ حقائق سے منہ پھیر کر ظلمات کے پیچھے دوڑنے والے ہیں۔اور ایسے نوٹس جاری فرمانا بھی خدا تعالیٰ کی ایک حاکمانہ شان ہے۔

۱۲۴۔ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِيْن

اپنے امور میں اور برگزیدوں کے مقابلہ میں منکرین کے منصوبوں اور تدابیر کو بے کار کر دینے والا۔فرمایا:

ذٰلِكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ۔ (الأنفال:۱۹)

اور بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کے منصوبوں کو بے کار کر دینے والا ہے۔

۱۲۵۔ اَشَدُّ بَاسًا

عذاب میں سختی کرنے والا شدید الحرب۔یہ اسم نساء ع ۱۲ میں آیا ہے۔اور ساتھ ہی اَشَدُّ تَنْكِيْلًا بھی آیا ہے۔فرمایا:

وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا۔ (النساء:۸۵)

۱۲۶۔ اَلضَّارُ

اعمال بد کے برے نتائج ظاہر کرنے والا، خیر وشر کا خالق اور مالک اور ہلاکت خیز۔

۱۲۷۔ شَدِیْدُ الْمِحَال

بڑی قوت والا۔ فرمایا:

وَھُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰہِ وَھُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ۔ (الرعد:۱۴)

اور وہ کافر اللہ کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں اور وہ تو بڑی قوت والی ہستی ہے۔

۱۲۸۔ اَلْحَسِیْبُ

کافی حساب لینے والا۔ اس اسم کے دونوں معنی ہیں۔ حساب کہتے ہیں کسی چیز کا کافی ہونا۔ جیسے کہتے ہیں حَسْبِی الشَّیْءُ یہ چیز مجھے کافی ہوئی اور بعض علماء کے نزدیک الحسیب بمعنی محاسب بھی ہے۔ سورۃ النساء میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا۔ (النساء:۸۷)

یہ اسم احزاب ع ۵ میں بھی آیا ہے۔ جو مالک ہے وہی احتیاج کو پورا کرنے کے لئے کافی بھی ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کی کنہ تک کو جانتا ہے اور اسی طرح وہ جس نے احکام بھیجے۔ انسانوں کو اخلاقی اقدار کے مطابق چلانا چاہتا ہے۔ تب تو وہ محاسبہ بھی کرے گا۔

۱۲۹۔ سَرِیْعُ الْحِسَاب

جلد حساب کرنے والا۔ یہ اسم قرآن کریم میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً کافروں کے بداعمال کی سزا انہیں جلد دینے کے لئے بھی اور مومنوں کو ان کے اعمال صالحہ کی جزاء دینے کے لئے بھی یہی اس کی مالکانہ شان ہے کہ ہر ایک کے اعمال کا لحاظ رکھتے ہوئے اجزاء بڑھ چڑھ کر دے۔ (اپنی کیفیت وکمیت کے لحاظ سے) اور سزا اس قدر دے جس سے مقصد عظیم کا حصول

جلد ممکن ہو جائے۔فرمایا:

وَمَنْ یَکْفُرْ بِآیَاتِ اللہِ فَإِنَّ اللہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۔ (آل عمران:۲۰)

پس جو شخص آیات اللہ کا انکاری ہے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

پھر فرمایا:

أُولَئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ

(آل عمران:۲۰۰)

۱۳۰۔اَسْرَعُ الْحَاسِبِیْن

یہ بھی اسی قسم کی ایک اور تجلی اور شان ہے۔قرآن کریم میں ایک ہی جگہ یہ اسم آیا ہے۔فرمایا:

ثُمَّ رُدُّوْا إِلَى اللہِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِیْنَ

(الأنعام:۶۳)

پھر وہ سب کے سب اپنے مولیٰ حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف واپس لوٹیں گے۔جان رکھو! کہ حکم اسی کے لئے سزاوار ہے اور وہ تمام حساب کرنے والوں سے جلد تر حساب کرنے والا ہے۔کسی قسم کی گڑبڑ کا امکان نہیں۔جس طرح دنیا میں دنیا والے بعض اوقات بعض کی حق تلفی کرتے ہیں یا بعض کو جزا سے ناجائز طور پر بچا لیتے ہیں۔ایسا اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں ہوتا۔

۱۳۱۔اَلْحَکَمْ

مخلوقات کا حاکم۔صحیح فیصلہ کرنے والا۔فرمایا:

وَاللہُ یَحْکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ۔ (الرعد:۴۲)

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حَکَم بنا کر بھیجا یعنی اس صفت کا مظہر۔آپ نے ۷۲ فرقوں کو انصاف سے بتایا کہ کون سا مسلک درست ہے کونسا غلط ہے۔

۱۳۲۔ اَحْکَمُ الْحَاکِمِین

حاکموں کا حاکم۔ سب سے بہتر اور درست فیصلہ کرنے والا۔ فرمایا:

وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ۔ (ھود:۴۶)

اور نوح نے اپنے رب کے حضور التجا کی کہ اے میرے رب میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے۔ اور تو سب حاکموں کا حاکم ہے۔ پھر سورہ التین میں فرمایا:

أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ۔ (التین:۹)

۱۳۳۔ خَیْرُ الْفَاصِلِین

سب فیصلہ کرنے والوں میں سے افضل۔ فرمایا:

اِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ

(الأنعام:۵۸)

اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا۔ وہ ہی سچی بات اور حق وحکمت سے بھری ہوئی بات بیان کرتا ہے اور وہ ہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

۱۳۴۔ اَلْقَاضِیُ

صحیح صحیح فیصلہ کرنے والا۔ فرمایا:

وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۔ (المؤمن:۲۱)

اور اللہ تعالیٰ حق وحکمت سے بھرا ہوا فیصلہ کرتا ہے۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہیں۔ وہ کچھ بھی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سمیع وبصیر ہے۔ اس لئے صحیح فیصلہ وہی کر سکتا ہے۔

۱۳۵۔مُبْتَلِی

کھرے اور کھوٹے کو پرکھنے والا۔امتحان لینے والا۔ظاہر کرنے والا۔آزمائش کرنے والا۔فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ مُبْتَلِیْکُمْ بِنَھَرٍ۔ (البقرۃ:۲۵۰)

بے شک اللہ تعالیٰ ایک نہر کے ذریعہ تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔

وَاِذِابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ۔ (البقرۃ:۱۲۵)

امتحان اور ابتلاء کا سلسلہ مومن کی روحانی ترقی کے لئے ضروری ہے۔حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ ابتلاء مومن کو کچھ دینے کے لئے آتے ہیں لینے کے لئے نہیں آتے۔

۱۳۶۔اَلْقَادِرُ

قدرت والا۔فرمایا:

قُلْ ھُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ۔

(الأنعام:٦٦)

نیز وہ انعامات بھی نازل فرمانے کے لئے قادر ہے۔ہر رمضان میں مومنوں کے لئے لیلۃ القدر نازل فرماتا ہے اور ہر مومن جو روحانی طور پر ایمان کے تقاضے پورے کرتا ہے اور خدا تعالیٰ اسے اس قابل سمجھتا ہے تو اسے شخصی لیلۃ القدر بھی عطا کرتا ہے۔نیز انبیاء کا زمانہ بھی لیلۃ القدر کا زمانہ ہوتا ہے۔چنانچہ جماعت احمدیہ بھی لیلۃ القدر میں سے گزر رہی ہے اور مطلع الفجر کی منتظر ہے۔

۱۳۷۔اَلْمُقْتَدِرُ

صاحب مقتدر،مقتدر قادر کے معنی تو ایک ہی ہیں مقتدر مبالغہ کا صیغہ ہے۔فرمایا:

فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ۔ (القمر:٥٦)

حضرت امام الزمان علیہ السلام فرماتے ہیں:

''پس اصل بات یہ ہے کہ خدا کی قدرت میں جو ایک خصوصیت ہے جس سے وہ خدا کہلاتا ہے وہ روحانی اور جسمانی قوتوں کے پیدا کرنے کی خاصیت ہے۔ مثلاً جانداروں کے جسم کو جو اُس نے آنکھیں عطا کی ہیں اس کام میں اس کا اصل کمال یہ نہیں ہے کہ اُس نے یہ آنکھیں بنائیں بلکہ کمال یہ ہے کہ اُس نے ذراتِ جسم میں پہلے سے ایک پوشیدہ طاقتیں پیدا کر رکھی تھیں۔ جن میں بینائی کا نور پیدا ہو سکے پس اگر وہ طاقتیں خود بخود ہیں تو پھر خدا کچھ بھی چیز نہیں کیونکہ بقول شخصے کہ گھی سنوارے سالنا بڑی بہو کا نام۔ اس بینائی کو وہ طاقتیں پیدا کرتی ہیں خدا کو اس میں کچھ دخل نہیں اور اگر ذرّاتِ عالم میں وہ طاقتیں نہ ہوتیں تو خدائی بے کار رہ جاتی پس ظاہر ہے کہ خدائی کا تمام مدار اِس پر ہے کہ اس نے روحوں اور ذرات عالم کی تمام قوتیں خود پیدا کی ہیں اور کرتا ہے اور خود ان میں طرح طرح کے خواص رکھے ہیں اور رکھتا ہے پس وہی خواص جوڑنے کے وقت اپنا کرشمہ دکھلاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے خدا کے ساتھ کوئی موجد برابر نہیں ہو سکتا''

(نسیم الدعوت روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۳۸۳، ۳۸۴)

تمام ایٹمی ذرّات نہ صرف یہ کہ پیدا کئے بلکہ ان میں جدا جدا خاصیتیں اور طاقتیں رکھیں۔ ان قوتوں اور خاصیتوں کو ہر شے کے ایٹم میں جدا جدا پیدا کرنا اور ایک تنوع ان میں رکھنا یہ اس کی قدرت کا ایک زبردست ثبوت اور اس کی خدائی کے ثابت کرنے کے لئے بہت بڑی دلیل ہے۔

۱۳۸۔ اَلْخَافِضُ

نافرمانوں کو پست کرنے والا۔ یہ صفت اَلرَّافِعُ کے بالمقابل ہے یعنی اس میں رفع کی نفی پائی جاتی ہے۔ نیک لوگوں کا تو اللہ تعالیٰ رفع فرماتا ہے اور وہ بھی ساتویں آسمان تک یعنی

روحانیت کی انتہائی رفعتیں انہیں عطا کر دیتا ہے اور ان کے بالمقابل منکرین پست ہوتے ہوتے قعر مذلت میں جا پڑتے ہیں اور اسفل السافلین بن جاتے ہیں۔

۱۳۹۔اَلْمُتَوَفِّی

وفات دینے والا، طبعی موت سے مارنے والا۔فرمایا:

إِنِّي مُتَوَفِّيْكَ۔ (آل عمران:۵۶)

میں تجھے وفات دینے والا ہوں۔

۱۴۰۔اَلْمُمِیْت

مارنے والا۔موت کسی مفہوم میں ہو۔فرمایا:

وَاللّٰهُ يُحْيِي وَيُمِيْتُ۔ (آل عمران:۱۵۷)

زندگی کو پیدا بھی وہی کرتا ہے اور ختم بھی وہی کرتا ہے۔ابتداء کا انتہاء کا وہی مالک ہے۔

۱۴۱۔اَلْبَاقِی

باقی رہنے والا، جو کبھی فنا نہ ہو، لافانی جیسا کہ سورہ رحمٰن میں فرمایا:

وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ (الرحمن:۲۸)

۱۴۲۔اَلْوَارِثُ

فناءِ موجودات کے بعد باقی رہنے والا۔فرمایا:

وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُوْنَ۔ (الحجر:۲۴)

۱۴۳۔اَلْجَامِع

تمام مخلوقات کو جمع کرنے والا اور تمام کمالات کا جامع۔فرمایا:

رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ (آل عمران:۱۰)

ایک جگہ جامع للمنافقین بھی آیا ہے۔یعنی جزاء سزاء سے کوئی بچ نہیں سکتا۔وہ اس بات پر قادر ہے کہ تمام مخلوقات کو جمع کر کے لائے اور اپنی مالکانہ تجلی دکھائے۔

۱۴۴۔اَلْجَلِیْلُ

بزرگ ،قہری نشان ظاہر کرنے والا۔انبیاء کی صداقت کے ثابت کرنے کے لئے اور اپنی ہستی کو منوانے کے لئے ہر زمانہ میں اس کی جلالت شان ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

۱۴۵۔اَلْعَدْلُ

فیصلہ میں ظلم نہ کرنے والا۔یہ صفت مالکیت کے تحت آتی ہے۔مالکیت کی شان یہ ہے کہ چاہے تو اپنے پاس سے بڑھ چڑھ کر انعام واکرام کرے اور عدل یہ ہے کہ سزا اتنی ہی دے جتنی کا سزاوار ہے یا جو اصلاح کے لئے کافی ہے اس میں ظلم کا شائبہ تک نہ ہو۔

۱۴۶۔اَلْاَوَّلُ

هُوَ الْاَوَّلُ لَيْسَ قَبْلَهٗ شَيْءٌ۔ (اَللُّغَةُ)

یعنی تمام موجودات ومخلوقات کو دیکھو تو خدا تعالیٰ کی ذات بابرکات اس سے پہلے موجود ہے۔خدا تعالیٰ سے پہلے کوئی نہیں ہے۔

۱۴۷۔اَلْاٰخِرُ

هُوَ الْآخِرِ لَيْسَ بَعْدَهٗ شَيْءٌ۔ (اَللُّغَةُ)

یعنی ہر شے کے فنا اور زوال کے بعد اسی کی ذات پاک موجود رہے گی۔

۱۴۸۔اَلظَّاهِرُ

هُوَ الظَّاهِرُ لَيْسَ فَوْقَهٗ شَيْءٌ۔ (اَللُّغَةُ)

یعنی ہر چیز سے اوپر اور غالب وہی ہے اس کے اوپر کوئی شے غالب نہیں اور وہی ظاہر

ہے۔ باقی سب لا شئے ہیں۔

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

۱۴۹۔ اَلۡبَاطِنُ

هُوَ الۡبَاطِنُ لَيۡسَ دُوۡنِهٖ شَیۡءٌ۔ (اَللُّغَةُ)

وہی ہر شے کے بطن میں ہے کیونکہ ہر شے اس کی مخلوق ہے۔ لہٰذا ہر شے پر خالق کی چھاپ ہے۔ مگر اس میں دیکھنے والی نظر چاہیے۔ سورہ حدید میں فرمایا:

هُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَالۡبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِيۡمٌ

(الحدید:۴)

۱۵۰۔ ذُوالۡعَرۡشِ

صاحب عرش۔ فرمایا:

فَادۡعُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكَافِرُوۡنَ ۔ رَفِيۡعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الۡعَرۡشِ يُلۡقِی الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَاءُ مِنۡ عِبَادِهٖ لِيُنۡذِرَ يَوۡمَ التَّلَاقِ۔ (المؤمن:۱۵۔۱۶)

پس اللہ تعالیٰ کو ہی پورے مخلص ہو کر پکارو۔ خواہ کافر برا ہی مناتے رہیں۔ وہ اللہ جو بڑے بلند درجوں والا ہے۔ عرش کا مالک ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی نازل فرماتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔

ذُو الۡعَرۡشِ الۡمَجِيۡدُ۔ (البروج:۱۶)

ذِیۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَكِيۡنٍ۔ (التکویر:۲۱)

قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا

(الإسراء:۴۳)

ترجمہ: یعنی اے نبی کہہ دو اگر اللہ کے ساتھ اور بھی ہوتے تو وہ مالک العرش ہے وہ کوئی راہ ڈھانڈتے (یعنی محکوم بن کر کیوں رہتے)

پس جاننا چاہیے کہ جمہور کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ عرش جسمانی اور مخلوق چیز ہے جس پر خدا بیٹھا ہے۔قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش کوئی محدود اور مخلوق شے نہیں ۔ خدا تعالیٰ نے جابجا فرمایا کہ ہر وہ چیز جو وجود رکھتی ہے اس کو میں ہی پیدا کرتا ہوں ۔ زمین وآسمان ان کی قوتیں اور ان کے ذرات کی خاصیتیں اور روحوں کی تمام قوتیں خدا تعالیٰ کہتا ہے میں پیدا کرتا ہوں ۔ میں اپنی ذات میں قائم ہوں اور ہر ایک چیز میرے ساتھ قائم ہے۔ ہر ایک ذرہ اور تمام موجودات میرے پیدا کئے ہوئے ہیں مگر کہیں نہیں کہا کہ عرش بھی کوئی جسمانی چیز ہے جس کو میں نے تخلیق کیا ہے۔

اس کی تشریح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :

''عرش سے مراد قرآن شریف میں وہ مقام ہے جو تشبیہی مرتبہ سے بالاتر اور ہر ایک عالم سے برتر اور نہاں درنہاں اور تقدّس اور تنزّہ کا مقام ہے وہ کوئی ایسی جگہ نہیں کہ پتھر یا اینٹ یا کسی اور چیز سے بنائی گئی ہو اور خدا اُس پر بیٹھا ہوا ہے اسی لئے عرش کو غیر مخلوق کہتے ہیں اور خدا تعالیٰ جیسا کہ یہ فرماتا ہے کہ کبھی وہ مومن کے دل پر اپنی تجلّی کرتا ہے۔ ایسا ہی وہ فرماتا ہے کہ عرش پر اُس کی تجلّی ہوتی ہے اور صاف طور پر فرماتا ہے کہ ہر ایک چیز کو میں نے اٹھایا ہوا ہے یہ کہیں نہیں کہا کہ کسی چیز نے مجھے بھی اُٹھایا ہوا ہے۔ اور عرش جو ہر ایک عالم سے برتر مقام ہے وہ اُس کی تنزیہی صفت کا مظہر ہے اور ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ ازل سے اور قدیم سے خدا میں دو صفتیں ہیں۔

ایک صفت تشبیہی دوسری صفت تنزیہی۔اور چونکہ خدا کے کلام میں دونوں صفات کا بیان کرنا ضروری تھا یعنی ایک تشبیہی صفت اور دوسری تنزیہی صفت اِس لئے خدا نے تشبیہی صفات کے اظہار کے لئے اپنے ہاتھ، آنکھ، محبت، غضب وغیرہ صفات قرآن شریف میں بیان فرمائے اور پھر جب کہ احتمال تشبیہ کا پیدا ہوا تو بعض جگہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ کہہ دیا اور بعض جگہ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کہہ دیا جیسا کہ سورہ رعد جزونمبر ۱۱ میں بھی یہ آیت ہے

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

(الرعد:۳)

(ترجمہ) تمہارا خدا وہ خدا ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند کیا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اور پھر اُس نے عرش پر قرار پکڑا۔اِس آیت کے ظاہری معنی کے رُو سے اس جگہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پہلے خدا کا عرش پر قرار نہ تھا۔اِس کا یہی جواب ہے کہ عرش کوئی جسمانی چیز نہیں ہے بلکہ وراء الوراء ہونے کی ایک حالت ہے جو اُس کی صفت ہے پس جبکہ خدا نے زمین و آسمان اور ہر ایک چیز کو پیدا کیا اور ظلّی طور پر اپنے نور سے سورج چاند اور ستاروں کو نور بخشا اور انسان کو بھی استعارہ کے طور پر اپنی شکل پر پیدا کیا اور اپنے اخلاق کریمہ اس میں پھونک دیئے تو اس طور سے خدا نے اپنے لئے ایک تشبیہہ قائم کی مگر چونکہ وہ ہر ایک تشبیہ سے پاک ہے اس لئے عرش پر قرار پکڑنے سے اپنے تنزّہ کا ذکر کر دیا۔خلاصہ یہ کہ وہ سب کچھ پیدا کر کے پھر مخلوق کا عین نہیں ہے بلکہ سب سے الگ اور وراء الوراء مقام پر ہے''

(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۲۶۵،۲۶۶)

پھر آپ علیہ السلام خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق عمومی رنگ میں فرماتے ہیں

''آج کل توحید اور ہستی الٰہی پر بہت زور آور حملے ہو رہے ہیں ۔ عیسائیوں نے بھی بہت کچھ زور مارا ہے اور لکھا ہے لیکن جو کچھ کہا اور لکھا ہے وہ

اسلام کے خدا کی بابت ہی لکھا ہے۔ نہ کہ ایک مردہ مصلوب اور عاجز خدا کی بابت۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود پر قلم اٹھائے گا۔ اس کو آخر کار اسی خدا کی طرف آنا پڑے گا۔ جو اسلام نے پیش کیا ہے، کیونکہ صحیفہ فطرت کے ایک ایک پتے میں اس کا پتہ ملتا ہے۔ اور بالطبع انسان اسی خدا کا نقش اپنے اندر رکھتا ہے۔''

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۷۹)

پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''اسلام کا خدا وہی سچا خدا ہے جو آئینہ قانون قدرت اور صحیفہ فطرت سے نظر آ رہا ہے۔ اسلام نے کوئی نیا خدا پیش نہیں کیا بلکہ وہی خدا پیش کیا ہے جو انسان کا نور قلب اور انسان کا کانشنس اور زمین اور آسمان پیش کر رہا ہے۔''

(تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۱۵)

آخر میں عرض ہے کہ صفات باری تعالیٰ کا مضمون ایک سمندر ہے جس کے کچھ قطرات پیش کئے گئے ہیں۔ بنیادی طور پر صفات باری کا کسی قدر سمجھنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ تا اس کی عبادت میں چاشنی پیدا ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (الأعراف:۱۸۱)

اللہ تعالیٰ کے لئے تو اچھے ہی نام ہیں انہی ناموں سے اس کو پکارو اور ان لوگوں سے علیحدہ ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کرتے ہیں وہ عنقریب اپنی کرتوتوں کا بدلہ پا لیں گے۔

کسی نے خدا کا نام لات و منات اور کسی نے تثلیث کے اقنوم ثلاثہ کے نام خدا کو دے دیئے اور کسی نے قبر پرستی کے ذریعہ سے سینکڑوں چھوٹے موٹے خدا بنا لئے۔ قرآن کریم کے مطابق یہ سب يُلْحِدُوْنَ فِيْ أَسْمَائِهِ کے مصداق ہیں۔

اَلْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی کے ذریعہ سے دعا کرنا اور اس کی صفات کو پیش نظر رکھنا قبولیت دعا کے لئے یہ بات اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق جو عرفان کے دریا بہائے ہیں ان تک پہنچنا ہر مسلمان کا اولین فرض ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روحانی فرزندِ جلیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ پکارنے والا جب کسی صفت کے ذکر سے رب کو پکارتا ہے تو گویا وہ صفت اہتزاز کرتی ہے اور عالم میں تصرف کیا جاتا ہے مناسب اسباب پیدا کئے جاتے ہیں تا بمطابق دعا وجود پذیر ہوان امور کو مد نظر رکھنے سے بہت سے روحانی فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے حصہ وافر عطا فرمائے۔آمین۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عباد الرحمٰن کی خصوصیات

از

اقبال احمد نجم

ایم اے۔شاہد (واقف زندگی)

عبادالرحمن کی خصوصیات

سب سے پہلا سبق جو آدم کو سکھایا گیا وہ اطاعت وفرمانبرداری ،عبادت اورفروتنی و انکساری وانانیت کو کچلنے کا سبق تھا۔اورسب سے پہلے جس خطرناک اورمہلک ترین کمزوری کا علم آدم کو دیا گیا وہ تکبر اورانانیت تھی یہی بداخلاقی تمام دیگر بداخلاقیوں کو پیدا کرتی ہے اس کے برخلاف اطاعت وفرمانبرداری ،فروتنی وانکساری ،عبادت وریاضت سے ہی اخلاق عالی جنم لیتے ہیں۔

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام فرماتے ہیں:

''کمال عبدانسان کا یہی ہے کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ یعنی اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہوجاوے اور جب تک اس مرتبہ تک نہ پہنچ جاوے نہ تھکے نہ ہارے اس کے بعد خودایک کشش اور جذب پیدا ہوجاتی ہے جوعبادت الٰہی کی طرف اسے لے جاتی ہے اوروہ حالت سجدہ اس پروارد ہوجاتی ہے جو یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ کی ہوتی ہے۔''

(ملفوظات جلد دوئم صفحہ ۱۴۳)

ایسے تمام انسان جو اپنے آپ کوخدا تعالیٰ کی صفات کا رنگ چڑھاتے ہیں خدائے رحمان کی رحمانیت کے مظہر بن جاتے ہیں اورعبادالرحمان کہلاتے ہیں کیونکہ وہ اخلاق حمیدہ اور اوصاف کریمہ کے مالک ہوتے ہیں ان کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کے حسن اخلاق کا پَرتَو ہوتا ہے جسے حاصل کرنے کے لئے لاشئےمحض ہو چکے ہوتے ہیں تبھی تو فرشتوں کوسجدہ کا حکم دیا جاتا ہے۔عبادالرحمان کے سب فیض خدائے رحمان کے فیض کے چشمۂ رواں سے آتے ہیں اور بہتوں کی پیاس کو دور کر کے سیرابی کا موجب بنتے ہیں۔خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ان کا وجود آلہ کار کی طرح ہوتا ہے۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَ بَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَ يَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَ رِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِيْ بِهَا وَاِنْ سَأَلَنِيْ اَعْطَيْتُهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيْذَنَّهُ۔

(بخاری کتاب الرقاق باب التواضع)

''خدا ان لوگوں کے کان بن جاتا ہے جس سے وہ سنتے ہیں اور آنکھیں بن جاتا ہے جن سے وہ دیکھتے ہیں اور ہاتھ بن جاتا ہے جن سے وہ پکڑتے ہیں اور جب وہ سوال کرتے ہیں تو ان پر انعام و اکرام کی بارش برسائی جاتی ہے۔اور جب پناہ لیتے ہیں تو پناہ دی جاتی ہے۔اور ہر شر سے ان کی حفاظت کی جاتی ہے۔''

درحقیقت عبادالرحمٰن کے اعمال خدا تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں۔ان کے اعضاء پر ایک قدرتوں والی اعلیٰ ہستی کا تصرف ہوتا ہے۔جس کی منشاء کے مطابق ان کی زندگی گزرتی ہے۔ان سے مخالفت خدا تعالیٰ سے لڑائی مول لینے کے مترادف ہوتی ہے جیسے کہ فرمایا:

مَنْ عَادَلِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ لِلْحَرْبِ

(بخاری کتاب الرقاق باب التواضع)

عبادالرحمٰن کی پہلی خصوصیت

اللہ تعالیٰ نے سورہ فرقان کے آخری رکوع میں عبادالرحمان کی خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔اگر ان کو مدنظر رکھا جائے اور کشش کی جائے کہ یہ صفات پیدا ہو جائیں تو یقیناً انسان خدائے رحمان کا عبد کامل بن کر اس کی صفات کا مظہر بن سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ (الفرقان:۶۴)

''اور رحمان کے سچے بندے وہ ہوتے ہیں جو زمین پر آرام سے چلتے ہیں (یعنی تکبر کے ساتھ نہیں چلتے) اور جب جاہل لوگ ان سے مخاطب ہوتے

ہیں (یعنی جہالت کی باتیں کرتے ہیں) تو وہ (لڑتے نہیں) بلکہ کہتے ہیں کہ ہم تو
تمہارے لئے سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔''

خدائے رحمان کے سچے بندوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں فروتنی وانکساری اور تواضع پائی جاتی ہے۔تکبر سے وہ نا آشنا ہوتے ہیں۔ان پر فقر کی حالت ہو یا امارت کی ہوا اور دولت کی ریل پیل ہو غربت وفاقہ کشی کا عالم ہو۔ان کے اوصاف کریمہ میں ذرہ برابر فرق نہیں پڑتا۔ان کی مثال اس ثمر دار درخت کی طرح ہوتی ہے جو ثمر دار ہونے کے بعد خمید ہ ہو کر کمزوروں اور ضعیفوں کے قریب ہو جاتا ہے۔تا وہ بآسانی اس کے شیریں پھلوں اور اس کی مٹھاس،اس کی لطافت اور اس کی خوشبو سے فائدہ اٹھا سکیں اور تسکین واطمینان،تازگی وفرحت وانبساط حاصل کر سکیں۔اللہ تعالیٰ نے يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ فرمایا ہے فِي الْاَرْضِ نہیں فرمایا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اقتدار کی حالت میں بھی احتیاط کا پہلو ترک نہیں کرتے۔گویا ان میں طاقت اور قوت تو ہوتی ہے مگر اس کا غلط استعمال نہیں کرتے۔کوئی قوم یا فرد ان کے قدموں تلے روندی نہیں جاتی۔چونکہ وہ نیکی اور پارسائی کے مجسمہ ہوتے ہیں اس لئے يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا کا مصداق ہوتے ہیں۔اس میں نصیحت بھی ہے کہ جب اسلام کو غلبہ حاصل ہو تو مسلمانوں کو یہ خصوصیت مدنظر رکھنی چاہیے۔ہلاکو خان اور چنگیز خان کی طرح بستیاں ویران اور آبادیاں تہ تیغ کرنے والے نہ ہوں بلکہ فروتنی،انکسار سے کام لینے والے بنیں اور ہر قسم کے اَبی و استکبار سے بچیں۔یہی نصیحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کی ہے۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

> مَیں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ تکبّر سے بچو کیونکہ تکبر ہمارے خداوند ذوالجلال کی آنکھوں میں سخت مکروہ ہے۔مگر تم شاید نہیں سمجھو گے کہ تکبّر کیا چیز ہے۔پس مُجھ سے سمجھ لو کہ مَیں خدا کی رُوح سے بولتا ہوں۔ہر ایک شخص جو اپنے بھائی کو اِس لئے حقیر جانتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ عالم یا زیادہ عقلمند یا زیادہ

ہُنر مند ہے وہ متکبر ہے کیونکہ وہ خدا کو سرچشمہ عقل اور علم کا نہیں سمجھتا اور اپنے تئیں کچھ چیز قرار دیتا ہے۔ کیا خدا قادر نہیں کہ اُس کو دیوانہ کر دے اور اُس کے اُس بھائی کو جس کو وہ چھوٹا سمجھتا ہے اُس سے بہتر عقل اور علم اور ہُنر دے دے۔ ایسا ہی وہ شخص جو اپنے کسی مال یا جاہ وحشمت کا تصوّر کر کے اپنے بھائی کو حقیر سمجھتا ہے وہ بھی متکبر ہے کیونکہ وہ اِس بات کو بُھول گیا ہے کہ یہ جاہ وحشمت خدا نے ہی اُس کو دی تھی اور وہ اندھا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ وہ خدا قادر ہے کہ اُس پر ایک ایسی گردش نازل کرے کہ وہ ایک دم میں اَسۡفَلُ السّٰفِلِیۡن میں جا پڑے اور اس کے اس بھائی کو جس کو وہ حقیر سمجھتا ہے اس سے بہتر مال و دولت عطا کر دے۔ ایسا ہی وہ شخص جو اپنی صحت بدنی پر غرور کرتا ہے یا اپنے حسن اور جمال اور قوت اور طاقت پر نازاں ہے اور اپنے بھائی کا ٹھٹھے اور استہزا سے حقارت آمیز نام رکھتا ہے اور اُس کے بدنی عیوب لوگوں کو سُناتا ہے وہ بھی متکبر ہے اور وہ اس خدا سے بے خبر ہے کہ ایک دم میں اُس پر ایسے بدنی عیوب نازل کرے کہ اس بھائی سے اس کو بدتر کر دے اور وہ جس کی تحقیر کی گئی ہے ایک مدّت دراز تک اس کے قویٰ میں برکت دے کہ وہ کم نہ ہوں اور نہ باطل ہوں کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ایسا ہی وہ شخص بھی جو اپنی طاقتوں پر بھروسہ کر کے دُعا مانگنے میں سُست ہے وہ متکبر ہے کیونکہ قُوّتوں اور قُدرتوں کے سرچشمہ کو اُس نے شناخت نہیں کیا اور اپنے تئیں کچھ چیز سمجھا ہے۔ سوتم اے عزیزو ان تمام باتوں کو یاد رکھو ایسا نہ ہو کہ تم کسی پہلو سے خدا تعالیٰ کی نظر میں متکبّر ٹھہر جاؤ اور تم کو خبر نہ ہو۔ ایک شخص جو اپنے ایک بھائی کے ایک غلط لفظ کی تکبّر کے ساتھ تصحیح کرتا ہے اُس نے بھی تکبّر سے حصّہ لیا ہے۔ ایک شخص جو اپنے بھائی کی بات کو تواضع سے سننا نہیں چاہتا اور مُنہ پھیر لیتا ہے اُس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک غریب بھائی جو

اس کے پاس بیٹھا ہے اور وہ کراہت کرتا ہے اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک شخص جو دُعا کرنے والے کو ٹھٹھے اور ہنسی سے دیکھتا ہے اُس نے بھی تکبّر سے ایک حصّہ لیا ہے۔ اور وہ جو خدا کے ماموراور مرسل کی پورے طور پر اطاعت کرنا نہیں چاہتا اُس نے بھی تکبّر سے ایک حصّہ لیا ہے۔ اور وہ جو خدا کے مامور اور مُرسل کی باتوں کو غور سے نہیں سنتا اور اس کی تحریروں کو غور سے نہیں پڑھتا اُس نے بھی تکبّر سے ایک حصہ لیا ہے۔ سو کوشش کرو کہ کوئی حصّہ تکبّر کا تم میں نہ ہو تاکہ ہلاک نہ ہو جاؤ اور تا تم اپنے اہل وعیال سمیت نجات پاؤ۔

(نزول المسیح روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۰۲۔۴۰۳)

انکساری اور عاجزی اور لوگوں کے لئے باعث سلامتی بننے سے انسان کو خود بھی بہت فائدہ ہوتا ہے۔ اور ایسے نافع الناس وجود کو دنیا میں لمبی عمر دی جاتی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک اور جگہ جماعت کو نصیحت فرماتے ہیں:

''اہل تقوی کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اپنی زندگی غربت اور مسکینی میں بسر کریں۔۔۔۔ میں نہیں چاہتا کہ میری جماعت والے آپس میں ایک دوسرے کو چھوٹا یا بڑا سمجھیں، یا ایک دوسرے پر غرور کریں یا نظر استخفاف سے دیکھیں۔ خدا جانتا ہے کہ بڑا کون ہے یا چھوٹا کون ہے۔ یہ ایک قسم کی تحقیر ہے جس کے اندر حقارت بیج کی طرح بڑھے اور اس کی ہلاکت کا باعث ہو جائے۔ بعض آدمی بڑوں کو مل کر بڑے ادب سے پیش آتے ہیں لیکن بڑا وہ ہے جو مسکین کی بات کو مسکینی سے سنے۔ اس کی دلجوئی کرے۔ اس کی بات کی عزت کرے۔ کوئی چڑ کی بات منہ پر نہ لاوے کہ جس سے دکھ پہنچے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ بِئۡسَ الِاسۡمُ الۡفُسُوۡقُ

بَعۡدَ الۡاِیۡمَانِ۔ وَمَنۡ لَّمۡ یَتُبۡ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَ۔

(الحجرات:۱۲)

تم ایک دوسرے کا چڑ کے نام نہ لو۔ یہ فعل فساق وفجار کا ہے۔ جو شخص کسی کو چڑاتا ہے، وہ نہ مرے گا جب تک وہ خود اس میں مبتلا نہ ہوگا۔ اپنے بھائیوں کو حقیر نہ سمجھو۔ جب ایک ہی چشمہ سے کل پانی پیتے ہو، تو کون جانتا ہے کہ کس کی قسمت میں زیادہ پانی پینا ہے۔ مکرم و معظم کوئی دنیاوی اصولوں سے نہیں ہوسکتا۔ خا تعالیٰ کے نزدیک بڑا وہ ہے جو متقی ہے۔ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۳۱۶)

صحابہ کرامؓ کا بھی یہی طریق تھا کہ باوجود اس کے کہ قیصر وکسریٰ کی حکومتیں ان کے قبضہ اقتدار میں آئیں مگر ذرہ برابر ظلم کا سلوک نہ کیا گیا۔ وہ کر بھی کیسے سکتے تھے۔ جب کہ انہیں سبق ہی یہ ملا تھا کہ خون کے پیاسوں اور جان و مال پر جنگلی درندوں کی طرح بار بار حملہ کرنے والے وحشیوں کو بھی اقتدار کے وقت لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ کہہ کر آن واحد میں معاف کر کے ان کی عزت افزائی کی گئی۔ یہ نمونہ دنیا نے فتح مکہ کے دن دیکھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اقتدار کے ملتے ہی اپنوں اور پرایوں پر اتنی شفقت کا سلوک کیا کہ صفحہ ہستی پر اس کی مثال نہ ملے گی۔

عبادالرحمان کی دوسری خصوصیت

فرمایا:

وَاِذَا خَاطَبَھُمُ الۡجٰھِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا۔ (الفرقان:۶۴)

’’جب ان سے جاہل لوگ مخاطب ہوتے ہیں تو وہ ان سے لڑتے جھگڑتے نہیں بلکہ کہتے ہیں ہم تو تمہاری بھلائی چاہتے ہیں اور سلامتی کی دعا

کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی میں اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں میں بے شمار نمونے اس قسم کے ملتے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار مکہ اور طائف کو تبلیغ کرنے کے دوران کون سی تنگی تھی جو برداشت نہ کرنی پڑی ہو۔آپ سلامتی کا پیغام لے کر جاتے۔بستی بستی، قریہ قریہ ان کی ہمدردی سے مجبور ہو کر فرض تبلیغ ادا فرماتے مگر شریر لوگ کتے اور شریر بچوں کو پیچھے لگا دیتے۔جو پتھراؤ کرتے چنانچہ ایک دفعہ آپ طائف کی بستی میں تشریف لے گئے جہاں آپؐ کو اسی قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔

(مسلم کتاب الجھاد باب ما لقی النبی من اذی المشرکین و المنافقین)

حدیثوں میں یہ بھی آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک دفعہ ایک یہودی آیا اور اس نے آپؐ سے کسی قرض کی واپسی کا سختی سے مطالبہ کیا۔صحابہؓ یہ حالت دیکھ کر غصہ سے بے تاب ہو گئے اور انہوں نے اپنی تلواریں سونت لیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا جانے دو جس کا حق ہوتا ہے وہ سختی کر ہی بیٹھتا ہے۔

(مسلم کتاب البیوع باب من استلف مقضی خیر امتہ)

اسی طرح ایک اور شخص نے ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا کہ آپ نے جو اموال کی تقسیم کی ہے اس میں انصاف سے کام نہیں لیا۔حضرت عمرؓ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے تاکہ اس کا سر اڑا دیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جانے دو اسے کچھ نہ کہو۔عفو اور درگذر سے کام لے کر ہی دلوں پر حکومت کی جا سکتی ہے۔یہی وجہ تھی کہ جب کسی معاہدہ کے تحت مسلمان کسی علاقہ سے دست کش ہوتے تو وہ محکوم لوگ مسلمانوں کی حکومت کے خواہاں ہوتے تھے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

گالیاں سن کے دعا دو پا کے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

پھر آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

پس ہماری جماعت کو مناسب ہے کہ وہ اخلاقی ترقی کریں، کیونکہ اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْکَرَامَةِ مشہور ہے۔وہ یاد رکھیں کہ اگر کوئی ان پر سختی کرے۔توحتّٰی الواسع اس کا جواب نرمی اور ملاطفت سے دیں۔تشدد اور جبر کی ضرورت انتقامی طور پر بھی نہ پڑنے دیں۔انسان میں نفس بھی ہے اور اس کی تین قسم ہیں۔امّارہ، لوّامہ، مطمئنہ۔امّارہ کی حالت میں انسان جذبات اور بے جا جوش کو سنبھال نہیں سکتا اور اندازہ سے نکل جاتا اور اخلاقی حالت سے گر جاتا ہے۔مگر حالت لوّامہ میں سنبھال لیتا ہے۔مجھے ایک حکایت یاد آئی جو سعدی نے بوستاں میں لکھی ہے۔کہ ایک بزرگ کو ایک کتے نے کاٹ لیا، تو گھر والوں نے دیکھا کہ اسے کتے نے کاٹ کھایا ہے۔ایک بھولی بھالی چھوٹی لڑکی بھی تھی۔وہ بولی۔آپ نے کیوں نہ کاٹ کھایا؟ اس نے جواب دیا۔بیٹی! انسان سے کُتّ پَنْ نہیں ہوتا۔اسی طرح سے انسان کو چاہیے کہ جب کوئی شریر گالی دے تو مومن کو لازم ہے کہ اعراض کرے۔نہیں تو وہی کُتّ پَنْ کی مثال صادق آئے گی۔خدا کے مقربوں کو بڑی بڑی گالیاں دی گئیں۔بہت بری طرح ستایا گیا، مگر ان کو اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ کا ہی خطاب ہوا۔“

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۶۴)

عبادالرحمان کی تیسری خصوصیت

دنیا میں انسان کو دو قسم کے حقوق ادا کرنے پڑتے ہیں۔کچھ حقوق وہ ہیں جو مخلوق خدا سے متعلق ہیں جنہیں حقوق العباد کہتے ہیں۔دوسری قسم کے حقوق اللہ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے عبادالرحمان کی صفات بیان فرماتے ہوئے پہلے ان دو صفات کا ذکر فرمایا تھا۔جو حقوق العباد سے متعلق ہیں۔اس تقدم سے بھی حقوق العباد کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔بہت سی بداخلاقیاں

حقوق العباد میں اعتدال سے نہ چلنے سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ عباد الرحمان زمین میں آرام سے چلتے ہیں تکبر نہیں کرتے ۔نیک اخلاق کا نمونہ ہوتے ہیں اور جاہلوں کے لئے بھی مجسم رحمت ہوتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا۔

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا۔ (الفرقان:۶۵ تا ۶۷)

ترجمہ:اور وہ لوگ بھی جو اپنے رب کے لئے راتیں سجدوں میں اور کھڑے ہو کر گذار دیتے ہیں اور وہ (یعنی رحمٰن کے بندے) کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم سے جہنم کا عذاب ٹلا دے اس کا عذاب ایک بہت بڑی تباہی ہے۔ وہ دوزخ عارضی ٹھکانہ کے طور پر بھی بری ہے اور مستقل ٹھکانہ کے طور پر بھی (بری ہے) زیادہ دیر مقام کے لئے بھی برا مقام ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ ان آیات کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا

''وہ لوگ جو اپنی راتیں خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ و قیام کرتے ہوئے گذار دیتے ہیں۔اس میں جہاں عبادالرحمٰن کی یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ وہ مصائب اور مشکلات کے اوقات میں جو رات کی تاریکیوں سے مشابہت رکھتے ہیں دُعاؤں اور گریہ وزاری سے کام لیتے اور خدا تعالیٰ کے آستانہ پر جُھکے رہتے ہیں۔ وہاں اس میں تہجد کی ادائیگی بھی عبادالرحمٰن کا شعار قرار دیا گیا ہے۔اور بتایا گیا ہے کہ اُن کی راتیں خراٹے بھرتے ہوئے نہیں گذرتیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اُس کی محبت اور عبادت میں گذرتی ہیں۔

وہ جسمانی تاریکی کو دیکھ کر ڈرتے ہیں کہ کہیں اُن پر روحانی تاریکی بھی نہ آجائے اور وہ دعاؤں اور استغفار اور اِنابت سے خدا تعالیٰ کی رحمت کو جذب

کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے نماز تہجد کی اہمیت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا (مزمل ع۱) یعنی رات کا اٹھنا انسانی نفس کو مسلنے میں سب سے زیادہ کامیاب نسخہ ہے اور رات کو خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گرے رہنے والوں کی روحانیت ایسی کامل ہوجاتی ہے کہ وہ ہمیشہ سچ کے عادی ہوجاتے ہیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز تہجد کا اس قدر خیال رہتا تھا کہ بعض دفعہ رات کو اُٹھ کر چکر لگاتے اور دیکھتے کہ کون کون تہجد پڑھ رہا ہے۔ایک دفعہ مجلس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ذکر آ گیا کہ وہ بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔آپ نے فرمایا ہاں بڑا اچھا ہے بشرطیکہ تہجد بھی پڑھے۔

معلوم ہوتا ہے اُن دنوں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ تہجد پڑھنے میں سُستی کرتے ہوں گے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذریعہ سے انہیں توجہ دلائی کہ وہ اپنی اس سُستی کو دُور کریں۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اُسی دن سے تہجد کی نماز میں باقاعدگی اختیار کرلی۔

(بخاری کتاب فضائل الصحابہ مناقب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ)

ایک دفعہ رات کے وقت آپ اپنے داماد حضرت علیؓ اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے گھر گئے اور باتوں باتوں میں دریافت فرمایا کہ کیا تم تہجد پڑھا کرتے ہو۔حضرت علیؓ نے کہا یارسول اللہ! پڑھنے کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن جب خدا تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت کسی وقت آنکھ نہیں کھلتی تو نماز رہ جاتی ہے۔آپ اُسی وقت اُٹھ کر اپنے گھر کی طرف چل پڑے اور بار بار فرماتے وَ کَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا

(بخاری کتاب التهجد باب تحریص النبی علی صلوٰۃ اللیل و النوافل۔۔۔)

یعنی انسان اپنی غلطی تسلیم کرنے کی بجائے مختلف قسم کی تاویلیں کر کے اپنے قصور پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔آپ کا مطلب یہ تھا کہ بجائے اس کے کہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے انہوں نے یہ کیوں کہا کہ جب خدا کا منشاء ہوتا ہے کہ ہم نہ جاگیں تو پھر ہم سوئے رہتے ہیں اور اس طرح اپنی غلطی کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کیا۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر رات کو میاں کی آنکھ کھلے اور وہ تہجد کے لئے اُٹھے تو اپنی بیوی کو بھی تہجد کے لئے جگائے۔اور اگر وہ نہ اٹھے تو اُس کے مُنہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے اور اگر بیوی کی آنکھ کھل جائے اور اس کا میاں جگانے کے باوجود نہ اٹھے تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے۔آپ تہجد کی اہمیت پر اس قدر زور دیا کرتے تھے (سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب قیام اللیل) کہ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصّے میں بندوں کے قریب آجاتا ہے اور اُنکی دعاؤں کو دن کی نسبت بہت زیادہ قبول فرماتا ہے۔آپؐ نے ایک دفعہ فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ انسان نوافل کے ذریعہ مجھ سے اتنا قریب ہوجاتا ہے کہ میں اُسکے کان ہوجاتا ہوں جن سے کہ وہ سُنتا ہے اُس کی آنکھیں ہوجاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔اُس کے ہاتھ ہوجاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اُس کے پاؤں ہوجاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کا اُٹھنا انسان کو اللہ تعالیٰ کے کتنا قریب کر دیتا ہے۔مگر افسوس ہے کہ اس زمانہ میں تہجد پڑھنے کی عادت بہت کم ہوگئی ہے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عبادالرحمٰن کی یہ ایک خاص خوبی بتائی ہے کہ وہ اپنی راتیں خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ وقیام میں گذار دیتے ہیں۔مگر چونکہ یہ آیات مسلمانوں کے دَور حکومت کی امتیازی خصوصیات کی بھی حامل ہیں اس لئے

يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا۔ (الفرقان:٦٥)

میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو جب دنیا پر غلبہ حاصل ہوگا تو وہ عیش وعشرت میں منہمک نہیں ہونگے بلکہ اُن کی راتیں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ و قیام کرتے ہوئے گذریں گی۔

چنانچہ جب تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں مسلمانوں کی اس امتیازی خصوصیت کا بھی نہایت واضح طور پر علم حاصل ہوتا ہے۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ جب مسلمانوں کی روم کے ساتھ لڑائی ہوئی تو رومی جرنیل نے اپنا ایک وفد مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا اور اُس نے کہا کہ تم مسلمانوں کے لشکر کو جا کر دیکھو اور پھر واپس آکر بتاؤ کہ اُن کی کیا کیفیت ہے۔ وہ وفد اسلامی لشکر کا جائزہ لے کر واپس گیا تو اُس نے کہا کہ ہم مسلمانوں کو دیکھ کر آئے ہیں۔ وہ ہمارے مقابلہ میں بہت تھوڑے ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی جن ہیں کیونکہ ہم نے دیکھا کہ وہ دن کو لڑتے ہیں اور رات کو تہجد پڑھنے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ہمارے سپاہی جو دن بھر کے تھکے ماندے ہوتے ہیں وہ تو رات کو شرابیں پیتے اور ناچ گانے میں مشغول ہوجاتے ہیں اور جب اِن کاموں سے فارغ ہوتے ہیں تو آرام سے سوجاتے ہیں۔ مگر وہ لوگ کوئی عجیب مخلوق ہیں کہ دن کو لڑتے ہیں اور راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے اور اُس کا ذکر کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے لڑنا بے فائدہ ہے۔ چنانچہ دیکھ لو۔ اس ذکر الٰہی کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ بھی آسمان سے اُن کی مدد کے لئے اُترا اور اُس نے انہیں بڑی بڑی طاقتور حکومتوں پر غالب کر دیا۔ عرب کی ساری آبادی ایک لاکھ اسّی ہزار تھی مگر انہوں نے روم جیسے ملک سے ٹکر لے لی جس کی بیس کروڑ آبادی تھی۔ پھر انہوں نے کسریٰ کے ملک پر حملہ کر دیا اس کی آبادی بھی بیس تیس کروڑ تھی۔ گویا پچاس کروڑ کی آبادی رکھنے والے ملک پر ایک لاکھ اسّی ہزار کی آبادی

رکھنے والے ملک کا ایک حصّہ حملہ آور ہوا۔اور پھر یہ ملک اتنے طاقتور تھے کہ ہندوستان بھی اُن کے ماتحت تھا ۔چین بھی اُن کے ماتحت تھا۔اسی طرح ترکی ۔آرمینیا۔عراق اورعرب کے اوپر کے ممالک مصراور فلسطین وغیرہ بھی اُن کے ماتحت تھے ۔مگر باوجود اتنی کثرت کے مٹھی بھر مسلمان !تو انہوں نے ان لوگوں کا صفایا کر دیا اور بارہ سال کے عرصہ میں اُن کی فوجیں قسطنطنیہ کی دیواروں سے جا ٹکرائیں ۔ یہ فتوحات جو مسلمانوں کو حاصل ہوئیں صرف ذکر الٰہی اور یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا کا نتیجہ تھیں۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تحریر فرماتے ہیں:

''جب مسلمان بگڑ گئے اور انہوں نے ذکر الٰہی میں اپنی راتیں بسر کرنے کی بجائے رنگ رلیوں میں راتیں بسر کرنی شروع کر دیں ۔ جب انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسحاق موسوی بڑا اچھا گانے والا ہے ۔فلاں کنچنی بہت اچھا ناچتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی تباہی کے لئے ہلاکو خاں کو بغداد پر مسلّط کر دیا اور اُس نے ایک دن میں اٹھارہ لاکھ مسلمانوں کو قتل کر دیا اور شاہی خاندان کی کوئی عورت ایسی نہ چھوڑی جس کے ساتھ بدکاری نہ کی گئی ہو۔اُس وقت مسلمان ایک بزرگ کے پاس گئے اور انہیں کہا کہ دُعا کریں بغداد تباہی سے بچ جائے ۔انہوں نے کہا میں کیا دُعا کروں میں تو جب بھی ہاتھ اٹھاتا ہوں اللہ تعالیٰ کے فرشتے مجھے یہ آوازیں دیتے سُنائی دیتے ہیں کہ اَیُّهَا الْكُفَّارُ اُقْتُلُوا الْفُجَّارَ یعنی اے کافر وان فاجر و فاسق مسلمانوں کو خوب مارو ۔ چنانچہ بغداد تباہ ہو گیا اور عباسی حکومت کا خاتمہ ہو گیا ۔حالانکہ ایک زمانہ میں اُن کی طاقت کا یہ عالم تھا کہ رومی حکومت کے لشکر کو جو ساٹھ ہزار کی تعداد میں تھا مسلمانوں کے ساٹھ آدمیوں نے شکست دے دی تھی اور اُن کے ساٹھ میں سے صرف بارہ تیرہ

شہید ہوئے اور بیس کے قریب خطرناک زخمی ہوئے باقی سب خیریت کے ساتھ واپس آ گئے ۔ یہ تائید مسلمانوں کو صرف اس لئے حاصل ہوئی کہ وہ طاقت اور غلبہ کو اپنی عیاشی کا ذریعہ نہیں بناتے تھے بلکہ ہر قسم کی طاقت اور ہر قسم کا غلبہ حاصل کرنے کے باوجود اُن کی زبانیں ذکر الٰہی سے تر رہتی تھیں اور اُن کی راتیں خدا کے حضور قیام و سجود میں گذر جاتی تھیں ۔ دنیا میں بڑی بڑی فاتح اقوام گذری ہیں مگر ہمیں کسی قوم کی تاریخ میں یہ مثال نظر نہیں آئیگی کہ وہ اتنے خدا ترس ہوں کہ ان کی تلوار کسی عورت، کسی بچے، کسی بوڑھے اور کسی دینی شغف رکھنے والے انسان پر نہ اٹھتی ہو۔ اُن کی تلوار کسی ایک انسان کا بھی ناجائز طور پر خون نہ بہاتی ہو اور راتوں کو وہ خدا تعالیٰ کے حضور روتے اور گڑگڑاتے ہوں ۔ یہ عظیم الشان خوبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں پائی جاتی تھی ۔جن کے اعلیٰ درجہ کے اخلاق اور بلند کردار کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے کفار کو بتایا ہے کہ دیکھو یہ لوگ تمہارے ہی ملک اور تمہارے ہی شہر کے رہنے والے تھے اور تمہارے ہی ساتھ انہوں نے اپنی عمروں کا بیشتر حصہ بسر کیا ہے مگر تم بھی جانتے ہو اور باقی سب لوگ بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ نہ اُن میں یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا والی بات پائی جاتی تھی اور نہ اُن میں يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا والی کیفیت پائی جاتی تھی بلکہ اس کے برعکس ظلم و ستم اُن کا شیوہ تھا۔اور شراب خوری اور عیاشی میں انہماک اُن کا رات دن کا شغل تھا مگر جب انہوں نے خدائے رحمٰن کے کلام کو قبول کیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلے تو اُنکی دنیا ہی بدل گئی اور اُن کی اخلاقی اور روحانی حالت میں بھی ایک تغیّر عظیم واقع ہو گیا۔ اگر یہ خدائے رحمٰن کے کلام کو قبول کرنے کی برکت نہیں تو بتاؤ اُن میں یہ خوبیاں کہاں سے پیدا ہوئیں اور کس چیز نے انہیں ان اعلیٰ درجہ کے اخلاق کا

مالک بنادیا۔‘‘

(تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ ۵۶۴۔۵۶۵)

عبادالرحمٰن کی چوتھی خصوصیت

جب اللہ تعالیٰ کا بندہ قیام لیل اور عبادت الٰہی اور خدا تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ اپنا معاملہ صاف ستھرا رکھنے کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ سے اپنا پیوند جوڑتا ہے تو اسے اس تعلق کے نتیجہ میں ایسی لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی ذرا سی ناراضگی یا دوری کو اپنے لئے جہنم اور اس رشتہ محبت میں ذرا سے فرق کو اپنی تباہی سمجھتا ہے۔ وہ دعاؤں میں لگا رہتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی بے نیازی اور بلند شان ایک طرف اور دوسری طرف اپنی ناچیز اور ناکارہ ہستی اس کے سامنے ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ یہ دعا کرتا ہے:

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا اِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۔ ’’اے ہمارے رب عذاب جہنم کو ہم سے دور رکھ کیونکہ جہنم کا عذاب بہت بری تباہی ہے چاہے وہ عارضی ہو یا زیادہ دیر تک قائم رہنے والا ہو۔‘‘

عبادالرحمٰن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے ایک پل بھر کے لئے دوری برداشت نہیں کر سکتے۔ چہ جائیکہ زیادہ دیر تک دوری ان پر قائم رہے۔انسان کی تخلیق ہی طین لازب ہے۔ یعنی چمٹے رہنے والی مٹی۔ انسان میں اپنے رب حقیقی سے چمٹے رہنے والی خاصیت رکھی گئی ہے۔ جو عبادالرحمٰن میں اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ وہ خدا کی دوری کے تصور سے ہی گھبرا اٹھتے ہیں اور چلا اٹھتے ہیں کہ اے خداوند جہنم کے عذاب سے بچائیو چاہے چند منٹ کا ہی کیوں نہ ہو پھر وہ یہ بھی دعا کرتے ہیں۔

’’کہ الٰہی ہمیں ہر ایسے کام سے بچائیو جو ہمیں دنیا و آخرت میں ذلیل کر نے والا ہو۔تو ہمیں افلاس اور تنگدستی کے جہنم سے بچا۔ ہمیں جہالت اور کم علمی کے جہنم سے بچا۔ ہمیں بداخلاقی اور عیاشی کے جہنم سے بچا۔ ہمیں دنیاداری اور

ہوس پرستی کے جہنم سے بچا۔ ہمیں خودسری اور جھوٹ، ظلم اور تعدی کے جہنم سے بچا۔ ہمیں اپنی محبت اور رضا سے دوری کے جہنم سے بچا۔ ہمیں اپنی آئندہ نسلوں کی خرابی کے جہنم سے بچا۔ ہمیں کفر اور شیطنت کے جہنم سے بچا۔ ہمیں لامذہبیت اور اباحت کے جہنم سے بچا۔ ہمیں منافقت اور بے ایمانی کے جہنم سے بچا۔ کیونکہ خواہ یہ بُرائیاں ہم میں عارضی طور پر پیدا ہوں یا مستقل طور پر بہرحال ان کا پیدا ہونا ہمارے لئے تباہی اور رسوائی کا باعث ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مستقل طور پر ان خرابیوں کا پیدا ہونا تو الگ رہا ہم میں عارضی طور پر اور وقتی طور پر بھی یہ خرابیاں پیدا نہ ہوں اور ہمیشہ ہمارا قدم صراطِ مستقیم پر قائم رہے۔ گویا وہی دُعا جو سورۃ فاتحہ میں غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے الفاظ میں سکھائی گئی ہے اس جگہ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ کے الفاظ میں دُہرادی گئی ہے۔

عبادالرحمٰن کی پانچویں خصوصیت

اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی یہ علامت بتائی گئی ہے کہ باوجود اسکے کہ انہیں دنیا پر غلبہ حاصل ہوتا ہے پھر بھی قومی تنزل کا خوف ہر وقت اُن کو آستانۂ ایزدی پر جُھکائے رکھتا ہے اور وہ رات دن دُعائیں کرتے رہتے ہیں کہ الٰہی ہم میں اور ہماری آئندہ نسلوں میں کسی قسم کی خرابی پیدا نہ ہو تا کہ وہ جنت جو تُو نے محض اپنے فضل سے ہمیں عطا فرمائی ہے وہ ہمیشہ قائم رہے اور کوئی ابلیس سانپ کی شکل اختیار کر کے ہماری ایڑی کو نہ کاٹ لے۔ اگر مسلمان اپنے غلبہ کے اوقات میں اس قرآنی دُعا کو ہمیشہ یاد رکھتے اور ہر کامیابی کے حصول پر قومی تنزل کے خطرات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تو اللہ تعالیٰ اُن پر دائمی طور پر اپنا فضل نازل کرتا اور ہمیشہ اُن کا قدم ترقی کے میدان میں آگے ہی آگے بڑھتا رہتا۔''

(تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ ۵۶۵۔۵۶۶)

صحابہؓ کی خشیت اور عذاب جہنم سے ڈرنے اور خدا تعالیٰ کی مغفرت چاہنے کا بھی عجیب نظارہ ہوتا تھا۔ ان کی روحیں ہر آن بہہ کر خدائے واحد کے آستانہ پر سربسجود رہتی تھیں۔ حد درجہ کے جری اور بہادر ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہر وقت لرزاں رہتے تھے۔ حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ عہد نبوت میں اگر کبھی تیز ہوا بھی چلتی تھی تو مسلمان خوف الٰہی سے کانپتے ہوئے مسجد کی طرف بھاگ اٹھتے تھے۔''

(ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ عند الظلمۃ و نحوھا)

حضرت عثمان کے دل پر اللہ تعالیٰ کا خوف اس قدر طاری رہتا تھا کہ جب کوئی جنازہ سامنے سے گذرتا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے۔ قبرستان سے گزر ہوتا تو آپ پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔

حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ باوجودیکہ بہت دولت مند تھے مگر خشیت اللہ اور تقویٰ سے قلب معمور تھا اور دنیوی نعماء ان کے لئے کسی ابتلاء کے بجائے ازدیاد ایمان کا موجب ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ تمام دن روزہ سے رہے شام کے وقت کھانا آیا تو اسے دیکھ کر رو پڑے اور فرمایا:

''مصعبؓ بن عمیر مجھ سے بہتر تھے مگر وہ شہید ہوئے تو کفن میں صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپاتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور پاؤں چھپاتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا۔ اسی طرح حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تو یہی حالت تھی۔ مگر اب دنیا ہمارے لئے فراخ ہوگئی ہے اور اس کی نعمتیں بکثرت حاصل ہوگئی ہیں اور میں ڈرتا ہوں ہمیں کہیں اپنی نیکیوں کا صلہ یہیں نہ مل جائے اور اس قدر رقت طاری ہوئی کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔''

(بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ احد)

گویا صحابہ کرام ہر وقت عُسر ہو یا یُسر خدا تعالیٰ کے خوف سے لرزاں رہتے تھے تا کہیں

خدا تعالیٰ ناراض نہ ہوجائے۔عبادالرحمان اپنے تعلقات میں کھرے ہوتے ہیں۔ان کے اعمال میں یک رنگی پائی جاتی ہے وہ دوغلی پالیسی پرعمل نہیں کرتے۔ایک کے ہوکر رہنا چاہتے ہیں۔توحید کے سچے پرستار ہوتے ہیں اورشرک کومٹانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ان کی محبت ان کی خواہشیں اورتمنائیں خدا تعالیٰ سے وابستہ ہوتی ہیں۔اورعُسر ویُسر میں وہ خدا کے سواکسی کونہیں پکارتے۔توکّل کے مقام کوحاصل کرنے والے اوریقین ومعرفت کے قلزم بے کراں کے شناور ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا۔

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا

(الفرقان:۶۹ تا۷۲)

ترجمہ۔اوروہ لوگ (یعنی عبادالرحمان) ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اورکو بطور معبود نہیں پکارتے اور نہ کسی جان کو جسے خدا تعالیٰ نے محافظت بخشی ہے قتل کرتے ہیں سوائے (شرعی) حق کے۔اورنہ زنا کرتے ہیں اورجوکوئی ایسا کرے گا وہ اپنے گناہ کی سزاکو دیکھ لے گا۔اورقیامت کے دن اس کے لئے عذاب زیادہ کیا جائے گا اوروہ اس میں ذلت کے ساتھ رہتا چلا جائے گا۔سوائے اس کے جس نے توبہ کرلی اورایمان لایا اورایمان کے مطابق عمل کئے۔پس یہ لوگ ایسے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بدیوں کونیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔اورجوتوبہ کرے اوراعمال صالحہ بجالائے وہ شخص حقیقی طور پر

اللہ کی طرف جھکتا ہے۔

عبادالرحمان کی چھٹی خصوصیت

عبادالرحمان کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ خدائے واحد پر پختہ یقین رکھتے ہیں اور اسی کو حزن وملال اور خوف اور اضمحلال کے وقت پکارتے ہیں۔ وہ خدا کو ہی پیارا خزانہ سمجھتے ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اُسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا۔۔۔۔ خدا ایک پیارا خزانہ ہے اُس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے تم بغیر اُس کے کچھ بھی نہیں اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ چیز ہیں۔

کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اُس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے ہماری اعلیٰ لذّات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لایق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں۔ کس دَف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سُن لیں اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سُننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔''

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد نمبر ۱۹ صفحہ ۲۱،۲۲)

توحید باری تعالیٰ کی اور اس کی اقسام بیان کرتے ہوئے آپؑ تحریر فرماتے ہیں۔

''توحید صرف اس بات کا نام نہیں کہ منہ سے لا الٰہ اِلَّا اللہ کہیں اور دل میں ہزاروں بُت جمع ہوں بلکہ جو شخص کسی اپنے کام اور مکر اور فریب اور تدبیر کو خدا کی سی عظمت دیتا ہے یا کسی انسان پر ایسا بھروسہ رکھتا ہے جو خدا تعالیٰ پر رکھنا چاہیئے یا اپنے نفس کو وہ عظمت دیتا ہے جو خدا کو دینی چاہیئے ان سب صورتوں میں وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بُت پرست ہے۔ بُت صرف وہی نہیں ہیں جو سونے یا چاندی یا پیتل یا پتھر وغیرہ سے بنائے جاتے اور ان پر بھروسہ کیا جاتا ہے بلکہ ہر ایک چیز یا قول یا فعل جس کو وہ عظمت دی جائے جو خدا تعالیٰ کا حق ہے وہ خدا تعالیٰ کی نگہ میں بُت ہے۔۔۔۔ یاد رہے کہ حقیقی توحید جس کا اقرار خدا ہم سے چاہتا ہے اور جس کے اقرار سے نجات وابستہ ہے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو اپنی ذات میں ہر ایک شرک سے خواہ بت ہو خواہ انسان ہو خواہ سورج ہو یا چاند ہو یا اپنا نفس یا اپنی تدبیر اور مکر فریب ہو منزہ سمجھنا اور اس کے مقابل پر کوئی قادر تجویز نہ کرنا۔ کوئی رازق نہ ماننا۔ کوئی مُعِزّ اور مُذِلّ خیال نہ کرنا۔ کوئی ناصر اور مددگار قرار نہ دینا اور دوسرے یہ کہ اپنی محبت اسی سے خاص کرنا۔ اپنی عبادت اسی سے خاص کرنا۔ اپنا تذلّل اسی سے خاص کرنا۔ اپنی امیدیں اسی سے خاص کرنا۔ اپنا خوف اسی سے خاص کرنا۔ پس کوئی توحید بغیر ان تین قسم کی تخصیص کے کامل نہیں ہوسکتی۔

اوّل: ذات کے لحاظ سے توحید یعنی یہ کہ اس کے وجود کے مقابل پر تمام موجودات کو معدوم کی طرح سمجھنا اور تمام کو **هَالِكَةُ الذَّات** اور **بَاطِلَةُ الْحَقِيْقَت** خیال کرنا۔

دوم: صفات کے لحاظ سے توحید یعنی یہ کہ ربوبیّت اور الوہیّت کی صفات بجز ذات باری کسی میں قرار نہ دینا۔ اور جو بظاہر ربّ الانواع یا فیض رسان نظر

آتے ہیں اسی کے ہاتھ کا ایک نظام یقین کرنا۔

تیسرے: اپنی محبّت اور صدق اور صفا کے لحاظ سے توحید یعنی محبت وغیرہ شعارعبودیت میں دوسرے کو خدا تعالیٰ کا شریک نہ گردانا۔ اور اسی میں کھوئے جانا۔''

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب صفحہ ۲۹ تا ۳۱)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ توحید کی خاطر صحابہ کرام کی قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''توحید پر صحابہ پوری طرح کاربند تھے انہوں نے توحید کی اشاعت کے لئے وہ قربانیاں پیش کیں کہ آج بھی تاریخ کے صفحات میں ان کا ذکر پڑھ کر انسانی قلب لرز جاتا ہے۔ وہ خدائے واحد و یگانہ پر ایمان لانے کی وجہ سے قتل کئے گئے۔ اُن کے اموال چھین لئے گئے۔ اُن کی عورتوں کی آبروریزی کی گئی۔ انہیں اپنے وطن سے بے وطن کیا گیا۔ انہیں تپتی ریت پر لٹایا گیا۔ اُن کے سینوں پر بڑے بڑے بھاری پتھر رکھ کر اُن پر جوتوں سمیت کودا گیا اور انہیں لات ومنات اور عزیٰ کی پرستش پر مجبور کیا گیا مگر وہ لوگ خدا تعالیٰ کے عشق میں کچھ ایسے سرشار تھے کہ اُن کی زبانوں سے اگر کوئی فقرہ نکلا تو صرف یہی کہ خدا ایک ہے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفّار مکہ نے یہاں تک پیشکش کی کہ ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں صرف اتنا مطالبہ آپ منظور کر لیں کہ ہمارے بتوں کو بُرا بھلا نہ کہیں۔ مگر اتنی بڑی پیشکش کے باوجود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے مطالبہ کو نہایت حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور ایک لمحہ کے لئے بھی یہ برداشت نہ کیا کہ خدائے واحد کی توحید میں کوئی خلل واقع ہو۔ بلکہ ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں اور چاند کو

میرے بائیں لاکر کھڑا کردیں تب بھی میں خدا تعالیٰ کی توحید کے اعلان سے باز نہیں رہ سکتا۔ پھر آپ کی آنکھوں کے سامنے محض توحید کو تسلیم کرنے کے جُرم میں آپ کے عزیز ترین صحابہؓ پر بڑے بڑے مظالم توڑے گئے خود آپ کو اور آپ کے خاندان کو اُن کے پیہم مظالم کا تختہ مشق بننا پڑا مگر آپ نے ان تمام تکالیف کے باوجود دنیا کی ہر اُس قوم سے لڑائی کی جو توحید کی دشمن تھی۔ آپ نے مشرکین مکہ کا بھی مقابلہ کیا جو سینکڑوں بتوں کے پجاری تھے۔ آپ نے یہود کا بھی مقابلہ کیا جو عزیر کو خدا تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے تھے آپ نے مجوسیوں کا بھی مقابلہ کیا جو آگ کے پجاری تھے اور آخر عرب میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں توحید کو غالب کر کے دکھا دیا اور بتوں کے پرستاروں کو خدائے واحد کے آستانہ پر لا ڈالا ۔پھر جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو حدیثوں میں آتا ہے کہ آپ کرب واضطراب کے ساتھ کبھی ایک کروٹ بدلتے اور کبھی دوسری اور بار بار فرماتے کہ خدا تعالیٰ یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا اس طرح آپ نے صحابہ کرامؓ کو نصیحت فرمائی کہ دیکھنا میری قبر کو کبھی سجدہ گاہ نہ بنانا۔ دیکھنا میرے بشر ہونے کے مقام کو کبھی فراموش نہ کرنا۔ چنانچہ آپ کی اس تعلیم اور تعہد کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا میں قریہ قریہ میں دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں پانچ مرتبہ یہ آواز بلند ہوتی سُنائی دیتی ہے کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔''

(تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ ۵۷۵)

آج پھر کفر وضلالت کا دور دورہ ہے اور توحید باری کے قیام کے لئے صحابہ کی طرح مالی، جانی، لسانی و قلبی اور وقت کی قربانی دینے کی ضرورت ہے تا ایک دفعہ پھر دنیا کے چپہ چپہ سے کلمہ توحید کی صدا سنائی دینے لگے اور خدائی نور سے دنیا ڈھانپی جائے۔

عبادالرحمٰن کی ساتویں خصوصیت

عبادالرحمٰن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی سے بلا وجہ لڑتے جھگڑتے نہیں کیونکہ قَتَلَ کے جہاں ایک معنے قتل کرنے کے ہیں وہاں لڑنے جھگڑنے کے بھی ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ وہ بلا وجہ اور بغیر حکم شرعی کے کسی جان کو تلف نہیں کرتے۔ یہ دونوں صفات عبادالرحمٰن کا خاصہ ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کی تلوار صرف ان لوگوں پر اٹھتی تھی جو مقابلہ کرتے تھے۔ معذوروں، یتیموں، راہبوں اور عورتوں پر ان کی تلوار کبھی نہیں اٹھی۔ ہٹلر، چنگیز خان اور ہلاکو خان کی مثالیں دنیا کے سامنے ہیں کہ کس طرح ان کی تلوار سے بے گناہوں کا بھی خون بہا لیکن یہ صحابہ کرام کا ہی نمونہ تھا کہ دشمن کے خلاف جب بھی نکلے ان کے اموال اور عزتوں کی بھی انہوں نے حفاظت کی۔

اس کے علاوہ آپس میں بھی وہ اخوت و ہمدردی کے جذبہ سے سرشار ہو کر زندگی بسر کرتے تھے۔ لڑتے جھگڑتے نہیں تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا منشاء کیا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صاف طور پر فرماتا ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا۔ (المائدة:۳۳)

ترجمہ۔ جو کسی شخص کو بغیر اس کے کہ اس نے قتل کیا ہو یا ملک میں فساد پھیلایا ہو قتل کردے گا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو اسے زندہ کرے گا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہمی اخوت اور ہمدردی کی روح کو قائم رکھنے کے لئے فرماتے ہیں

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ

حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے باقی مسلمان محفوظ رہیں

(مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۲۳۰)

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! تم پر مسلمانوں کی جان، مال، عزت اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کے دن آج کے مہینہ کی اور کعبۃ اللہ کی حرمت ہے۔ چنانچہ انصار اور مہاجرین کا باہمی مواخات اس کی قابل قدر مثال ہے۔

(مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ و سلم)

عبادالرحمٰن کی آٹھویں خصوصیت

وَلَا یَزْنُوْنَ میں بتایا ہے کہ وہ کسی سے ناجائز تعلقات قائم کر کے زنا جیسی قبیح بدکاری کے مرتکب نہیں ہوتے جہاں وہ خدا کے علاوہ کسی اور معبود کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اسی طرح جسمانی طور پر بھی پاکباز ہوتے ہیں۔

"(اسلام نے) انسان کو پاک دامن رہنے کیلئے پانچ علاج بھی بتلا دیئے ہیں۔ یعنی یہ کہ اپنی آنکھوں کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بچانا کانوں کو نامحرموں کی آواز سننے سے بچانا۔ نامحرموں کے قصے نہ سننا اور دوسری تمام تقریبوں سے جن میں اس بدفعل کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اپنے تئیں بچانا، اگر نکاح نہ ہو تو روزہ رکھنا وغیرہ۔۔۔۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہماری آنکھیں اور دل اور ہمارے خطرات سب پاک رہیں اس لئے اس نے یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم فرمائی۔ اس میں کیا شک ہے کہ بے قیدی ٹھوکر کا موجب ہو جاتی ہے۔ اگر ہم ایک بھوکے کتے کے آگے نرم نرم روٹیاں رکھ دیں اور پھر امید رکھیں کہ اس کتے کے دل میں خیال تک ان روٹیوں کا نہ آوے تو ہم اپنے اس خیال میں غلطی پر ہیں۔

۔۔۔۔ ہر ایک پرہیز گار جو اپنے دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اس کو نہیں چاہیے کہ حیوانوں کی طرح جس طرح چاہے بے محابہ نظر آتا کر دیکھ لیا کرے

بلکہ اس کے لئے اس تمدنی زندگی میں غض بصر کی عادت ڈالنا ضروری ہے۔''

(اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۳۔۳۴۴)

عبادالرحمان کی نویں خصوصیت

اللہ تعالیٰ عبادالرحمان کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ لوگ بدکاری کے قریب نہیں جاتے پھر فرماتا ہے جوایسی بداخلاقیاں کریں گے اور زمین میں فساد پیدا کریں اور خدائے واحد کے پرستار نہیں بنیں گے اللہ تعالیٰ ان پر عذاب جہنم کو بڑھا دے گا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ آمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۔ (الفرقان: ۷۱)

سوائے ان لوگوں کے جو ان غلطیوں کے سرزد ہوجانے کے بعد حقیقی توبہ کر کے اعمال صالحہ بجا لاکر اپنی توبہ کا ثبوت فراہم کر دیں گے۔ ایسے لوگوں کی بدیوں کو نیکیوں میں بدل دیا جائے گا۔ یعنی ان کو اعمال صالحہ کے ذریعہ سے بہت سی نیکیوں کی توفیق ملے گی۔ جس کے نتیجہ میں ان کی بدیوں کے اثرات زائل ہوجائیں گے اور انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۔ (ھود: ۱۱۵)

کہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں مگر شرط یہ ہے کہ بندہ ہر وقت توبہ استغفار کرتا رہے توبہ استغفار میں لگے رہنا عبادالرحمٰن کی نویں خصوصیت ہے۔

''استغفار جس کے ساتھ ایمان کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں قرآن شریف میں دو معنے پر آیا ہے۔ ایک تو یہ کہ اپنے دل کو خدا کی محبت میں محکم کر کے گناہوں کے ظہور کو جو علیحدگی کی حالت میں جوش مارتے ہیں خدا تعالیٰ کے تعلق کے ساتھ روکنا اور خدا میں پیوست ہوکر اس سے مدد چاہنا یہ استغفار تو مقربوں کا ہے جو ایک طرفۃ العین خدا سے علیحدہ ہونا اپنی تباہی کا موجب جانتے ہیں اس لئے

استغفار کرتے ہیں تا خدا اپنی محبت میں تھامے رکھے۔ اور دوسری قسم استغفار کی یہ ہے کہ گناہ سے نکل کر خدا کی طرف بھاگنا اور کوشش کرنا کہ جیسے درخت زمین میں لگ جاتا ہے ایسا ہی دل خدا کی محبت کا اسیر ہو جائے تا پاک نشوونما پا کر گناہ کی خشکی اور زوال سے بچ جائے اور ان دونوں صورتوں کا نام استغفار رکھا گیا۔''

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۳۴۶۔۳۴۷)

استغفار کے بعد توبہ کا درجہ ہے اور توبہ کے کئی مدارج ہیں جن کے بغیر توبہ مکمل نہیں ہوتی۔ سچی توبہ وہی ہے جس کے بعد نیکیاں کرنے یعنی اعمال صالحہ کی توفیق ملے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ توبہ کے لئے تین شرائط ہیں۔ بدوں اُن کی تکمیل کے سچی توبہ جسے توبۃ النصوح کہتے ہیں، حاصل نہیں ہوتی۔ ان ہر سہ شرائط میں سے پہلی شرط جسے عربی زبان میں اقلاع کہتے ہیں۔ یعنی اُن خیالات فاسدہ کو دُور کر دیا جاوے جو ان خصائل ردیہ کے محرک ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ تصورات کا بڑا بھاری اثر پڑتا ہے، کیونکہ حیطۂ عمل میں آنے سے پیشتر ہر ایک فعل ایک تصوری صورت رکھتا ہے۔ پس توبہ کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اُن خیالاتِ فاسدہ و تصوراتِ بد کو چھوڑ دے۔ مثلاً اگر ایک شخص کسی عورت سے کوئی ناجائز تعلق رکھتا ہو، تو اُسے توبہ کرنے کے لئے پہلے ضروری ہے کہ اس کی شکل کو بدصورت قرار دے اور اس کی تمام خصائل رذیلہ کو اپنے دل میں مستحضر کرے، کیونکہ جیسا کہ مَیں نے ابھی کہا ہے۔ تصورات کا اثر بہت زبردست اثر ہے اور مَیں نے صوفیوں کے تذکروں میں پڑھا ہے کہ انہوں نے تصور کو یہانتک پہنچایا کہ انسان کو بندر یا خنزیر کی صورت میں دیکھا۔ غرض یہ ہے کہ جیسا کوئی تصور کرتا ہے، ویسا ہی رنگ چڑھ جاتا ہے۔ پس جو خیالاتِ بالذات کا موجب سمجھے جاتے تھے ان کا قلع قمع کرے۔ یہ پہلی شرط ہے۔ دُوسری شرط ندم ہے یعنی پشیمانی اور ندامت ظاہر کرنا۔ ہر ایک

انسان کا کانشنس اپنے اندر یہ قوت رکھتا ہے کہ وُہ اس کو ہر بُرائی پر متنبہ کرتا ہے، مگر بد بخت انسان اس کو معطل چھوڑ دیتا ہے۔ پس گناہ اور بدی کے ارتکاب پر پشیمانی ظاہر کرے اور یہ خیال کرے کہ یہ لذات عارضی اور چندروزہ ہیں اور پھر یہ بھی سوچے کہ ہر مرتبہ اس لذت اور حظ میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بڑھاپے میں آکر جبکہ قویٰ بیکار اور کمزور ہوجائیں گے۔آخر ان سب لذاتِ دُنیا کو چھوڑنا ہوگا۔ پس جبکہ خود زندگی ہی میں یہ سب لذات چھوٹ جانے والی ہیں تو پھر اُن کے ارتکاب سے کیا حاصل؟ بڑا خوش قسمت ہے وُہ انسان جو توبہ کی طرف رجوع کرے اور جس میں اول اقلاع کا خیال پیدا ہو یعنی خیالاتِ فاسدہ وتصورات بیہودہ کا قلع قمع کرے۔ جب یہ نجاست اور ناپاکی نکل جاوے تو پھر نادم ہو اور اپنے کئے پر پشیمان ہو۔تیسری شرط عزم ہے۔یعنی آئندہ کے لئے مصمم ارادہ کرلے کہ پھر اُن برائیوں کی طرف رُجوع نہ کرے گا اور جب وہ مداومت کرے گا، تو خدا تعالیٰ اسے سچی توبہ کی توفیق عطا کرے گا۔ یہانتک کہ وہ سیئات اس سے قطعاً زایل ہوکر اخلاقِ حسنہ اور افعالِ حمیدہ اُس کی جگہ لےلیں گے اور یہ فتح ہے اخلاق پر۔اس پر قوت اور طاقت بخشنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، کیونکہ تمام طاقتوں اور قوتوں کا مالک وہی ہے۔جیسے فرمایا اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا''

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۱۳۲ تا ۱۳۴)

توبہ، استغفار اور محاسبہ نفس کے ذریعے ہر وقت چوکنے اور ہوشیار ہوکر خدا تعالیٰ کی طرف جھکنا چاہیے تا ہمارا خدا ہم سے راضی ہوجائے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو۔اور مخلوق کی پرستش نہ کرو اور اپنے مولیٰ کی طرف منقطع ہوجاؤ اور دنیا سے دل برداشتہ رہو اور اسی کے ہوجاؤ اور اسی کے لئے زندگی بسر کرو اور اس کے لئے ہر ایک ناپاکی اور گناہ سے نفرت کرو۔کیونکہ وہ پاک ہے چاہئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے

ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔“ (کشتی نوح روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۲)

عبادالرحمٰن کی دسویں خصوصیت

عبادالرحمٰن کی دسویں خصوصیت یہ ہے کہ وہ جھوٹی گواہیاں نہیں دیتے نہ عدالت میں نہ انسان کے حق میں اور نہ اپنے اعضاء کے خلاف جھوٹی گواہی دیتے ہیں۔ یعنی اگر ان کے ہاتھوں، کانوں اور پیروں سے کوئی برا عمل سرزد ہو گیا یا ان کی زبان نے کوئی بات کہہ دی تو وہ یہ نہیں کہتے کہ ان کے ہاتھوں نے ایسا نہیں کیا ان کے کانوں نے ایسا نہیں سنا ان کی زبان اور پیروں نے ایسا نہیں کیا۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ اپنے ہی اعضاء کے اعمال کے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ ایسا ہی قیامت کے روز خدا تعالیٰ کے حضور اس کی تردید میں ان کے اعضاء گواہی دیں گے اور ان کے جھوٹ کی تردید کریں گے۔ خدا تعالیٰ کی صفات اور اس کی ہستی کا انکار کرنا بھی ایک جھوٹ ہے جس سے شرک لازم آتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”قرآن شریف نے جھوٹ کو بھی ایک نجاست اور رجس قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (الحج:۳۱) دیکھو یہاں جھوٹ کو بت کے مقابل رکھا ہے۔ اور حقیقت میں جھوٹ بھی ایک بت ہے ورنہ کیوں سچائی کو چھوڑ کر دوسری طرف جاتا ہے۔ جیسے بت کے نیچے کوئی حقیقت نہیں ہوتی اسی طرح جھوٹ کے نیچے بجز ملمع سازی کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جھوٹ بولنے والوں کا اعتبار یہانتک کم ہو جاتا ہے کہ اگر وہ سچ کہیں تب بھی یہی خیال ہوتا ہے کہ اس میں بھی کچھ جھوٹ کی ملاوٹ نہ ہو۔ اگر جھوٹ بولنے والے چاہیں کہ ہمارا جھوٹ کم ہو جائے، تو جلدی سے دور نہیں ہوتا۔ مدت تک ریاضت کریں۔ تب جا کر سچ بولنے کی عادت اُن کو ہو گی۔“

(ملفوظات جلد سوم صفحہ ۳۵۰)

جھوٹ سب بداخلاقیوں کی جڑ ہے اوراس کے ترک کرنے سے انسان کوتوفیق ملتی ہے کہ وہ دوسری اخلاقی برائیوں سے بھی بچ جائے۔

عبادالرحمٰن کی گیارھویں خصوصیت

وہ اللہ کے نیک بندے جو رحمان خدا کی صفات کے مظہر ہوتے ہیں۔ اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ ان کے لئے وقت ضائع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا۔

اَنْتَ الشَّیْخُ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ لَا یُضَاعُ وَقْتُہٗ (تذکرہ صفحہ ۴۰۱)

عبادالرحمٰن کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا جب کبھی وہ لغو باتوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو ان سے بچ کر صحبت صالحین اختیار کرتے ہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ صادق اور پاکباز لوگوں کی مصاحبت اختیار کرو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

”میرے نزدیک موجودہ زمانہ میں جو لغویات پائی جاتی ہیں اُن میں سب سے مقدم سینما ہے جو قومی اخلاق کے لئے نہایت ہی مہلک اور تباہ کن چیز ہے اور تمدنی لحاظ سے بھی ملکی امن کے لئے خطرہ کا موجب ہے۔۔۔۔۔۔

یہ ایک بدترین لعنت ہے جس نے سینکڑوں شریف خاندانوں کی عورتوں کو ناچنے والی بنادیا ہے۔۔۔۔۔ کوئی فلم ایسی نہیں ہوتی جس میں گانا بجانا نہ ہو۔ اور گانا بجانا اسلام میں سخت منع ہے۔۔۔۔ اور قرآن کریم کی اس آیت سے پتہ لگتا ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کا بندہ ہی نہیں بن سکتا جب تک وہ گانے بجانے کی مجلسوں سے الگ نہ ہو۔۔۔۔ اسی بناء پر میں نے اپنی جماعت کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ سینما نہ دیکھا کرے کیونکہ اس میں گانا بجانا ہوتا ہے جو انسانی قلب کو خدا تعالیٰ کی طرف سے غافل کر دیتا ہے۔۔۔۔۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نے بھی فرمایا ہے کہ گانا بجانا اور باجے وغیرہ یہ سب شیطان کے ہتھیار ہیں جن سے وہ لوگوں کو بہکاتا ہے۔مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی اس واضح ہدایت کو بھلا دیا اور وہ اپنی طاقت کے زمانہ میں رنگ رلیوں میں مشغول ہوگئے۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر انہیں اپنی حکومت سے ہاتھ دھونا پڑا۔خلافتِ عباسیہ تباہ ہوئی تو محض گانے بجانے کی وجہ سے۔ہلاکو خاں اپنے لاؤلشکر کے ساتھ منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا بغداد کی طرف بڑھا آرہا تھا اور معتصم باللہ ناچ گانے میں مشغول تھا اور بار بار کہتا تھا کہ تم گانے والیوں کو بلاؤ۔بغداد پر کوئی حملہ نہیں کرسکتا۔جو حملہ کرے گا وہ خود تباہ ہوجائے گا لیکن ہلاکو خاں نے پہنچتے ہی سب سے پہلے بادشاہ کو قتل کروایا پھر اُس کے ولی عہد کو قتل کیا اور پھر بغداد پر حملہ کرکے اُس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اٹھارہ لاکھ آدمی قتل کر دیئے۔اسی طرح مغلیہ حکومت کی تباہی بھی گانے بجانے کی وجہ سے ہی ہوئی۔'' محمد شاہ رنگیلے'' کو رنگیلا اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ گانے بجانے کا بہت شوقین تھا۔ بہادر شاہ جو ہندوستان کا آخری مغل بادشاہ تھا وہ بھی اسی گانے بجانے کی وجہ سے تباہ ہوا۔انگریزوں کی فوجیں کلکتہ سے بڑھ رہی تھیں۔الٰہ آباد سے بڑھ رہی تھیں کانپور سے بڑھ رہی تھیں۔میرٹھ سے بڑھ رہی تھیں۔سہارنپور سے بڑھ رہی تھیں اور بادشاہ کے درباہ میں گانا بجانا ہو رہا تھا۔آخر انگریزوں نے اُس کے بارہ بیٹوں کے سر کاٹ کر اور خوان میں لگا کر اُس کی طرف بھیجے اور کہا کہ یہ آپ کا تحفہ ہے۔اندلس کی حکومت بھی گانے بجانے کی وجہ سے تباہ ہوئی۔۔مصر کی حکومت بھی گانے بجانے کی وجہ سے تباہ ہوگئی۔مصر پر صلاح الدین ایوبی نے حملہ کیا تو فاطمی بادشاہ اُس وقت گانے بجانے میں ہی مشغول تھا مگر اتنی بڑی تباہی دیکھنے کے باوجود مسلمانوں کو اب بھی یہی شوق ہے کہ سینما دیکھیں اور گانا بجانا

سُنیں اور وہ اپنی تاریخ سے کوئی عبرت حاصل نہیں کرتے۔“

(تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ ۵۸۶)

عبادالرحمٰن کی بارھویں خصوصیت

رحمٰن کے بندے اپنے رب کی آیات کا ذکر سن کر آگے بڑھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی آیات اور نشانات کو بصیرت کے ساتھ یقین و معرفت کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ کافروں اور منافقوں کی طرح اندھوں اور بہروں کا سا سلوک آیات خداوندی اور نشانات ایزدی کے ساتھ نہیں کرتے۔ اس خوبی کا ذکر قرآن کریم نے ایک اور آیت میں اس طرح بیان کیا ہے:

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ۔ (السجدة:۱۶)

ترجمہ: یعنی ہماری آیات ونشانات پر وہی لوگ سچا ایمان رکھتے ہیں کہ جب انہیں آیات الٰہیہ کے متعلق توجہ دلائی جائے تو وہ سجدہ کرتے ہوئے زمین پر گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی تعریف اور تسبیح کرتے ہیں اور تکبر سے کام نہیں لیتے۔ قدرتی امر ہے کہ خدا تعالیٰ کا ذکر عباد الرحمٰن کا دن رات اوڑھنا بچھونا ہو جاتا ہے وہ ذکر الٰہی سے سرشار رہتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”نماز کے علاوہ اٹھتے بیٹھتے اپنا دھیان خدا تعالیٰ کی طرف رہے۔ یہی اصل مدعا ہے جس کو قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تعریف میں فرمایا ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی قدرتوں میں فکر کرتے ہیں۔ ذکر اور فکر ہر دو عبادت میں شامل ہیں۔ فکر کے ساتھ شکر گزاری کا مادہ بڑھتا ہے۔ انسان سوچے اور غور کرے کہ زمین و آسمان، ہوا اور بادل، سورج اور چاند ستارے اور سیارے سب انسان کے فائدے کے واسطے خدا تعالیٰ نے بنائے۔ فکر معرفت کو بڑھاتا ہے۔ غرض ہر وقت خدا کی یاد میں اس کے

نیک بندے مصروف رہتے ہیں۔اسی پر کسی نے کہا کہ جودم غافل سودم کافر‘‘

(ملفوظات جلد نہم صفحہ ۳۲۱)

انسانِ فانی میں اللہ تعالیٰ نے بقائے نسل کے لئے خواہشات رکھ چھوڑی ہیں۔تا زندگی معدوم نہ ہوجائے اسی لئے انسان کے دل میں اولاد کی خواہش ایک طبعی امر ہے۔کیونکہ انسانی پیدائش کی غرض مقام عبودیت حاصل کرنا ہے اس لئے جولوگ اولاد کی خواہش اس لئے کرتے ہیں تا اَلْبَاقِیَاتُ الصَّالِحَاتُ چھوڑیں۔اور دنیا میں نیکی و پارسائی کو اس طرح دوام دیں ان کی یہی خواہش خدا تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہوتی ہے اس لئے وہ خدا کے مقرب اور پسندیدہ لوگ ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۔ اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ یُلَقَّوْنَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَّ سَلٰمًا۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا۔ (الفرقان:۷۵۔۷۷)

اور وہ لوگ (بھی رحمٰن کے بندے ہیں) جو یہ کہتے ہیں کہ اے رب ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں (اس طرح سے) متقیوں کا امام بنا۔(آمین)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی نیکی پر قائم رہنے کی وجہ سے (بہشت میں) بالا خانے دیئے جائیں گے اور ان کو اس میں دعائیں دی جائیں گی۔اور سلامتی کے پیغام پہنچائے جائیں گے وہ ان میں رہتے چلے جائیں گئے۔وہ (یعنی جنت) عارضی قرارگاہ کے طور پر بھی بڑی اچھی ہے۔اور مستقل قرارگاہ کے طور پر بھی بڑی اچھی ہے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔اس لئے ایک مومن بندے کو حقیقی خوشی اور ٹھنڈک تبھی پہنچے گی جب کہ اس کی ازواج اور اس کی اولاد نماز کی پابند ہوگی۔اور یہی دعا عبادالرحمان کرتے ہیں کہ:

اے اللہ تعالیٰ ہماری ازواج، ہماری اولاد کو ہمارے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب بنادے۔ یہ ضروری ہوا کہ اس تسکین اور اطمینان، خوشی، ٹھنڈک کو حاصل کرنے کے لئے کوشش کی جائے اور آل واولاد نیکی کے راستہ پر گامزن ہوکر خدا تعالیٰ کے مقرب بن جائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اولاد کی خواہش صرف نیکی کے اصولوں پر ہونی چاہیے اس لحاظ سے اور خیال سے نہ ہو کہ وہ ایک گناہ کا خلیفہ باقی رہے۔۔۔۔اولاد کی تربیت اور ان کو عمدہ اور نیک چلن بنانے اور خدا تعالیٰ کے فرمانبردار بنانے کی سعی اور فکر کریں نہ ان کے لئے دعا کرتے ہیں اور نہ مراتب تربیت کو مدنظر رکھتے ہیں۔

میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لئے دعا نہیں کرتا۔ بہت سے والدین ایسے ہیں جو اپنی اولاد کو بری عادتیں سکھا دیتے ہیں۔ ابتداء میں جب بھی بدی کرنا سیکھنے لگتے ہیں تو ان کو تنبیہ نہیں کرتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دن بدن دلیر اور بے باک ہوتے جاتے ہیں۔

ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک لڑکا اپنے جرائم کی وجہ سے پھانسی پر لٹکایا گیا اس آخری وقت میں اس نے خواہش کی کہ میں اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہوں جب اس کی ماں آئی تو اس نے ماں کے پاس جا کر اسے کہا کہ میں تیری زبان چوسنا چاہتا ہوں۔ جب اس نے زبان نکالی تو اسے کاٹ کھایا۔ دریافت کرنے پر اس نے کہا اسی ماں نے مجھے پھانسی پر چڑھایا ہے کیونکہ اگر یہ مجھے پہلے ہی روکتی تو آج میری یہ حالت نہ ہوتی۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اولاد کی خواہش کو اس طرح پر قرآن میں بیان فرمایا ہے۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ

اِمَامًا۔ (الفرقان:۷۵)

یعنی خدا تعالیٰ ہم کو ہماری بیویوں اور بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرماوے۔

اور یہ تب ہی میسر آ سکتی ہے کہ وہ فسق و فجور کی زندگی بسر نہ کرتے ہوں۔ بلکہ عبادالرحمان کی زندگی بسر کرنے والے ہوں اور خدا کو ہر شے پر مقدم کرنے والے ہوں اور آگے کھول کر کہہ دیا وَ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ اولاد اگر نیک اور متقی ہوگی تو یہ ان کا امام ہی ہوگا اس سے گویا متقی ہونے کی بھی دعا ہے۔''

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳۵ صفحہ ۱۰ تا ۱۲ پرچہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۱ء)

اسلام نے تربیت اولاد کا بہت لحاظ رکھا ہے اور ہدایت فرمائی ہے کہ شادی کرتے وقت اس بات کو ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ جس سے شادی کی جارہی ہے آیا وہ نیک بھی ہے یا نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ شادی چار وجوہات کی بناء پر کی جاتی ہے۔ مال کی وجہ سے، حسب ونسب کی وجہ سے، حسن وجمال کی وجہ سے، اخلاق و پارسائی کی وجہ سے۔

(بخاری کتاب النکاح باب کفاء فی الدین)

مگر تم اے مسلمانو! خدا تمہاری زندگیوں کو کامیاب کرے ہمیشہ با اخلاق اور دین دار عورتوں سے شادی کیا کرو ورنہ تمہارے ہاتھ خاک آلودہ رہیں گے۔ آقائے دو جہاں کی یہ ہدایت اس لئے ہے تا بیویاں جنہوں نے کل ماں بن کر بچوں کی تربیت کا اہم فریضہ سرانجام دینا ہے نیک ہوں۔ بچے ان کی صحبت میں رہ کر ان کی تربیت میں پرورش پا کر نیک اور عبادالرحمان کی صفات لے کر پھلیں پھولیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''خود نیک بنو اور اپنی اولاد کے لیے ایک عمدہ نمونہ نیکی اور تقویٰ کا ہو جاؤ اور اس کو متقی اور دیندار بنانے کے لیے سعی اور دعا کرو۔ جس قدر کوشش تم ان کے لیے مال جمع کرنے کی کرتے ہو اسی قدر کوشش اس امر میں کرو۔۔۔۔۔ وہ کام

کروجواولاد کے لیے بہترین نمونہ اورسبق ہواوراس کے لیےضروری ہے کہ سب سے اول خوداپنی اصلاح کرو۔اگرتم اعلیٰ درجہ کے متقی اور پرہیزگار بن جاؤ گے اور خدا تعالیٰ کو راضی کرلو گےتو یقین کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے ساتھ بھی اچھا معاملہ کرے گا۔''

(الحکم ۱۰رنومبر ۱۹۰۵ء)

دین کی راہ میں صحابہ کرام کیا مرداور کیاعورتیں ہر رنگ میں قربانی کرنے کے لئے کمر بستہ نظرآتے تھے۔تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب عراق میں قادسیہ کے مقام پر جنگ جاری تھی تو حضرت خنساءؓ جوزمانہ جاہلیت میں ایک بہت بڑی شاعرہ تھیں جنہوں نے اپنے ایک بھائی کی وفات پر اتنے دردانگیز مرثیے کہے تھے کہ سخت سے سخت دل انسان کا پتہ بھی پانی ہوا جاتا تھا۔ہاں انہی حضرت خنساءؓ نے اپنے چار جگر گوشوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اے پیارے بیٹو! اسلام کی خاطر قربانی کرنا تمہارا فرض ہے۔خدا کی قسم میں نے نہ کبھی تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمہارے ماموں کو کبھی رسوا کیا۔یہ دنیا چندروزہ ہے اوراس میں جوآیا ایک نہ ایک دن مرے گالیکن خوش بخت ہے وہ انسان جسے خدا کی راہ میں جان دینے کا موقع ملے۔اس لئے صبح اٹھ کرلڑنے کے لئے میدان میں نکلواور آخر وقت تک لڑو۔کامیابی کے ساتھ واپس آؤ یا شہادت کا مرتبہ پاؤ۔سعادت مند بیٹوں نے وقت کی نزاکت کو سمجھا، دین کی ضرورت ان کے سامنے تھی۔ماں سے رخصت ہوئے اور چاروں ایک ساتھ گھوڑوں کی باگیں تھامے میدان جنگ میں کود گئے۔دلاور ماں کے دلاور بیٹے ایک ایک کرکے چاروں کے چاروں جام شہادت نوش کرکے مولائے حقیقی سے جا ملے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔جب یہ خبر بہادر اور دلیر ماں کو سنائی گئی تو خدا تعالیٰ کے حضور۔۔۔سجدہ میں گر پڑی اور کہنے لگی کہ''مولا تیرا شکر ہے کہ تونے میری ساری عمر کی دولت، میری ساری عمر کی کمائی قبول کرلی۔مولیٰ تیرا شکر ہے کہ تونے میرے چاروں بیٹوں کو قبول فرما کر سرفراز فرمایا۔'' (اسدالغابہ)

یہ تھے صحابیات کے وقف اولاد کے نمونے جو قرونِ اولیٰ میں انہوں نے اسلام کی خاطر دیئے اور یہ تھے صحابہ کی اولاد کے اعلیٰ ترین نمونے کہ جان تک کی بازی لگادی اور اسلام کی آن پر آنچ تک نہ آنے دی۔آج بھی اسی قسم کی قربانیوں کی ضرورت ہے۔دین اسلام بے کس یتیم کی طرح اس بات کا متمنی ہے کہ ایک دفعہ پھر خنساءؓ جیسی اولوالعزم اور بہادر ماؤں کے بیٹے آگے بڑھیں اور کفرستانوں میں نکل جائیں اور قرآن کو ہاتھوں میں لے کر دلوں کی زمینوں پر فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑ دیں۔توحید خداوندی کا ڈنکا بجنے لگ جائے۔یہ قربانی آج بھی خلیفہ وقت کی خدمت میں پیش کریں۔آج بھی مائیں اپنی اولادیں دین کی نصرت کے لئے پیش کر کے حضرت خنساءؓ کے مقام کو حاصل کرسکتی ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ وقت کی نزاکت کو سمجھا جائے اور جرأت اور بہادری سے نیکیوں میں سبقت لے جانے کے جذبہ کے ساتھ خدا کی خاطر نیکی کی طرف قدم اٹھانے میں دیر نہ کی جائے۔

عبادالرحمان کی تیرھویں خصوصیت

عبادالرحمان کی ایک خصوصیت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ ہر وقت خدا تعالیٰ کی بے نیازی کو سامنے رکھتے ہیں۔اور دعا پر بہت زور دیتے ہیں۔کیونکہ انہیں اپنے عجز اور انکساری کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشتِ خاک ہیں۔وہ کرم خاکی ہیں۔جب تک خدا تعالیٰ کی عنایت اور فضل نہ ہو وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔اس لئے وہ دعاؤں پر بہت زور دینے والے ہوتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمادیا ہے

قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْ لَا دُعَآؤُکُمْ فَقَدْ کَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ یَکُوْنُ لِزَامًا

(الفرقان:۷۸)

ترجمہ۔(اے رسول) تو ان سے کہہ دے کہ میرا رب تمہاری پرواہ ہی کیا کرتا ہے اگر تمہاری طرف سے دعا اور استغفار نہ ہو پس (جب کبھی) تم نے پیغامِ الٰہی کو جھٹلا دیا تو (تب) اس کا عذاب (تم سے) چمٹا چلا جائے گا۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ مذہب کی جان اور اُس کا خلاصہ اور اس کی رُوح اگر کوئی چیز ہے تو وہ صرف دُعا ہے۔ مگر دُعا اس امر کا نام نہیں کہ انسان صرف مونہہ سے ایک بات کہہ دے اور سمجھ لے کہ دُعا ہوگئی۔ دعا اللہ تعالیٰ کے حضور پگھل جانے کا نام ہے دُعا ایک موت اختیار کرنے کا نام ہے۔ دُعا تذلل اور انکسار کا مجسم نمونہ بن جانے کا نام ہے۔ جو شخص صرف رسمی طور پر مونہہ سے چند الفاظ دہراتا چلا جاتا ہے اور تذلّل اور انکسار کی حالت اس کے اندر پیدا نہیں ہوتی۔ جس کا دل اور دماغ اور جس کے جسم کا ہر ذرّہ دُعا کے وقت محبت کی بجلیوں سے تھرتھرا نہیں رہا ہوتا وہ دُعا سے تمسخر کرتا ہے۔ وہ اپنا وقت ضائع کر کے خدا تعالیٰ کا غضب مول لیتا ہے۔ پس ایسی دُعا مت کرو جو تمہارے گلے سے نکل رہی ہو اور تمہارے اندر اس کے مقابل پر کوئی کیفیت پیدا نہ ہو۔ وہ دعا نہیں بلکہ قہر الٰہی کو بھڑکانے کا ایک شیطانی آلہ ہے۔ جب تم دُعا کرو تو تمہارا ہر ذرّہ اللہ تعالیٰ کے جلال کا شاہد ہو۔ تمہارے دماغ کا ہر گوشہ اس کی قدرتوں کو منعکس کر رہا ہو اور تمہارے دل کی ہر کیفیت اس کی عنایتوں کا لطف اٹھا رہی ہو۔ تب اور صرف تب ہم دُعا کرنے والے سمجھے جا سکتے ہو۔ یہ کیفیت پیدا ہونی بظاہر مشکل نظر آتی ہے مگر جس شخص کے ایمان کی بنیاد عشقِ الٰہی پر ہو۔ اس کے لئے اس سے زیادہ آسان اور کوئی شئے نہیں بلکہ اُس کی طبیعت کا یہ کیفیت ایک خاصہ بن جاتی ہے اور وہ ہر وقت اس سے لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہے۔ ایسے انسان کو یہ ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ الگ جا کر اور مصلّےٰ پر بیٹھ کر دُعائیں کرے بلکہ خلوت وجلوت میں دُعا کر رہا ہوتا ہے۔ اور جب اُس کی زبان پر اَور اَور کلام جاری ہوتا ہے اور اس کی آنکھوں کے آگے اَور اَور نظارے پھر رہے ہوتے ہیں۔ اُسکی رُوح اپنے مالک

وخالق کے عقبۂ رحمت پر گری ہوئی اپنے لئے اور ساری دنیا کے لئے طلب گار رحمت ہو رہی ہوتی ہے۔''

(تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ 601)

تعارف مصنف

مکرم اقبال احمد صاحب نجم ۱۹۴۴ء میں قادیان میں پیدا ہوئے۔آپ کے بڑے نانا حضرت نعمت اللہ خاں صاحبؓ انور کو بطور محرر مدرسہ احمدیہ میں خدمت کا موقعہ ملا۔نیز آپ حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں دارالضیافت اور صدر انجمن احمدیہ میں بھی خدمت بجالاتے رہے۔آپ کے نانا حضرت حکیم حشمت اللہ خان صاحبؓ بھی صحابی تھے۔اسی طرح نانی جان کے والد صاحب حضرت منشی محمد رحیم الدین صاحب آف حبیب والا ۳۱۳ صحابہ میں سے تھے۔دادا مکرم بابو محمد بخش صاحب کو وقف بعد ریٹائرمنٹ کا موقع ملا۔اور آپ کو تادم آخر تقریباً اکیس سال الشرکۃ الاسلامیۃ کے تحت بطور مینیجر ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں خدمت کا موقع ملا۔آپ نے میٹرک تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ سے کی اور گریجویشن تعلیم الاسلام کالج سے ربوہ سے ۱۹۶۴ء میں کیا اور وقف کر کے جامعہ احمدیہ ربوہ میں داخل ہوئے۔۱۹۷۰۔۷۱ء میں شاہد کی ڈگری حاصل کی اور حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے وطن بھیرہ سے بطور مربی خدمت سلسلہ کا آغاز کیا۔کچھ عرصہ بطور مجاہد وطن عزیز کی خدمت کا موقعہ بھی ملا۔آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے پرائیویٹ ایم۔اے اسلامیات بھی پاس کیا۔بطور مبلغ سلسلہ دوبار سپین میں خدمت کا موقع ملا۔مسجد بشارت سپین اسی دور میں تعمیر ہوئی جبکہ آپ قرطبہ میں بطور مبلغ کام کر رہے تھے۔لاطینی امریکہ کے ممالک برازیل اور گوائٹے مالا کے مجاہد اول بھی رہے۔اسی دور میں مسجد بیت الاول گوائٹے مالا میں تعمیر ہوئی۔جو احمدیت کی پہلی صدی کی آخری مسجد ہے اور لاطینی امریکہ کی پہلی مسجد ہے۔جس کا افتتاح حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے جولائی ۱۹۸۹ء کے آغاز میں بنفس نفیس وہاں تشریف لے جا کر فرمایا۔کچھ عرصہ انگلستان میں بھی بطور مبلغ خدمت کا موقع ملا۔بطور مربی بھیرہ کے علاوہ ضلع شیخوپورہ، ضلع اسلام آباد (ڈی ایف)، راولپنڈی، مظفر آباد اور لاہور میں قیام کیا اور آج کل جامعہ احمدیہ انگلستان میں خدمات بجا لا رہے ہیں۔آپ کو ۱۹۸۲ء میں کتاب راہنمائے سپینش چھپوانے کا موقع ملا جس پر آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے جلسہ سالانہ پر مبارکباد دی۔۱۹۸۷۔۸۸ء میں برازیل میں پرتگالی ترجمۃ قرآن کریم تیار کروایا اور اس پر نظر ثانی کی۔اور پرتگالی زبان میں علمی لٹریچر پیش کرنے کی توفیق پائی۔حال ہی میں آپ نے سپینش جاننے والے تمام علاقوں کے لئے ایک ترجمۃ القرآن کریم کرنے کی توفیق پائی ہے۔